ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
17 تا 23 جنوری 2002ء

☆ جنگ کا خطرہ ٹل گیا، ختم نہیں ہوا (تجزیہ)
☆ اسلامی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب (منبر و محراب)
☆ حملہ کرنا ہی بہترین دفاع ہے! (دین و دانش)

استحکامِ پاکستان کی اصل بنیاد!

''.....اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان کے استحکام کے لئے نہ' تاریخی تقدس' کا عامل موجود ہے نہ ہی 'جغرافیائی عوامل' اس کے پشت پناہ ہیں' پھر کوئی نسلی' لسانی یا وطنی قومیت کا جذبہ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اس کے استحکام کے لئے پختہ اساس اور مضبوط بنیاد کا کام دے سکے لہٰذا اس کے استحکام کا کل دار و مدار صرف ایک چیز پر ہے اور وہ وہی ہے جس نے اسے جنم دیا تھا۔ یعنی 'مذہبی جذبہ'!! گویا پاکستان کا معاملہ بالکل ع ''کافر نتوانی شدنا چار مسلمان شو!'' والا ہے کہ اگر اسے اپنی بقا مطلوب ہے اور یہ کسی دوسری طاقت کا طفیلی یا زیردست بن کر نہیں بلکہ باوقار اور باعزت اور حقیقتاً آزاد اور خودمختار ہو کر باقی رہنا چاہتا ہے تو اس کے لئے کوئی اور چارۂ کار سرے سے موجود ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ اسلام کا دامن تھامے اور اسی کا سہارا لے۔

یہ بات ہر اس شخص کے لئے اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے جو کسی بھی وجہ سے پاکستان کے بقاء و استحکام کا طالب اور خواہش مند ہو کہ اگرچہ عوام کی فلاح و بہبود' انتظامی مشینری کی اصلاح و تطہیر اور مختلف علاقوں کے رہنے والوں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والوں کا اعتماد و اطمینان بھی نہایت اہم امور ہیں اور ان کے بغیر بھی یقیناً پاکستان مستحکم نہیں ہو سکتا اور خاص طور پر موجودہ حالت میں تو ان کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے' تاہم پاکستان کے دوام و استحکام کی اصل اساس یہ چیزیں نہیں بلکہ صرف اور صرف اسلامی جذبہ ہے اور اگر وہ جلد از جلد بھرپور انداز میں بروئے کار نہ آیا تو باقی تمام چیزوں کی اصلاح کے باوجود پاکستان یا تو اپنی سالمیت ہی کو برقرار نہیں رکھ سکے گا اور اس کے حصے بخرے ہو جائیں گے یا اگر باقی رہے گا تو بھی تو کسی دوسری بڑی طاقت کا طفیلی یا زیردست ہو کر!''

(امیر تنظیم اسلامی کی کتاب ''استحکام پاکستان'' سے ایک اقتباس)

سورۃ البقرہ (۵۱)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَ کُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝﴾ (آیات : ۸۴ تا ۸۶)

''اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم آپس میں خون ریزی نہ کرو گے اور نہ اپنے بھائی بندوں کو ان کے گھروں سے نکالو گے' پھر تم نے اس کا اقرار کیا تھا اور تم (اپنے اس اقرار پر) گواہ ہو۔ پھر تم ہی ہو جو اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ہی میں سے کسی گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو' ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کے ساتھ چڑھائی کرتے ہو' اور جب وہ تمہارے پاس (کسی کے) قیدی ہو کر آئیں تو انہیں فدیہ دے کر چھڑاتے ہو' حالانکہ تمہارے اوپر انہیں وہاں سے نکالنا ہی حرام تھا۔ تو کیا تم (اللہ کی) کتاب کے بعض حصوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض حصوں کا انکار کرتے ہو! پس تم میں سے اس طرح کا فعل کرنے والے شخص کی اس کے سوا کوئی سزا نہیں کہ اسے دنیا کی زندگی میں رسوا کر دیا جائے اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے' اور اللہ اس سے غافل نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا خرید لی ہے' تو ان پر عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ہی انہیں (کہیں سے) مدد مل سکے گی۔''

بنی اسرائیل جب حضرت یوشع بن نون کی زیر قیادت فلسطین میں داخل ہوئے تو وہاں ایک مضبوط مرکز تشکیل دینے کے بجائے ان کے بارہ قبیلوں نے اپنی الگ الگ حکومتیں بنا لیں۔ اس طوائف الملوکی کے نتیجے میں باہم لڑائی جھگڑے ہونے لگے اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ میں قریبی علاقوں کے مشرک دشمنوں سے بھی مدد لی جانے لگی۔ یہ سب کچھ اس امر کے باوجود ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عہد کے ذریعے اس قوم کو پابند کیا تھا کہ وہ باہم ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اور کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے کو اس کے علاقے سے بے دخل نہیں کرے گا۔ لیکن اپنے اس وعدے اور قرار کو بھول کر بنی اسرائیل خانہ جنگی پر اتر آئے اور ایک دوسرے کی جان کے درپے ہو گئے۔ طاقتور گروہوں نے ظلم و زیادتی کو اپنا شعار بنا لیا' جس کے باعث اپنے گھروں اور علاقوں سے نکالے گئے بہت سے اسرائیلی' غیر اقوام کی قید میں آ گئے۔ شریعت موسوی کے تحت بنی اسرائیل پر یہ لازم تھا کہ اگر ان کی قوم کا کوئی فرد کسی غیر اسرائیلی کے پاس قید ہو جائے تو اسے فدیہ دے کر رہا کروایا جائے۔ چنانچہ اسی حکم کے مطابق بے دخل کئے گئے لوگوں کو دشمنوں سے فدیہ کے عوض چھڑا لیا جاتا۔

دین کی تعلیمات کے حوالے سے بنی اسرائیل کے اس منافقانہ طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے زیر درس دوسری آیت مبارکہ میں جو الفاظ آئے ہیں' وہ آج ہمارے لئے بھی بہت اہم اور قابل غور ہیں۔ احکام الٰہی میں سے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق کچھ چیزوں کو مان کر اختیار کر لینے جبکہ کچھ احکام کو مستقل طور پر چھوڑ دینے اور نظر انداز کرنے پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔ بنی اسرائیل نے شریعت کے اس حکم کو تو یاد رکھا کہ غیروں کی قید میں چلے جانے والے اپنی قوم کے افراد کو فدیہ دے کر رہائی دلائی جائے جبکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پس پشت ڈال دیا کہ ایک دوسرے سے جنگ مت کرو اور لوگوں کو ان کے گھروں سے بے دخل نہ کرو۔ آج موجودہ امت مسلمہ کی غالب اکثریت کا بھی یہی حال ہے کہ نماز' روزہ' حج جیسی عبادات کے ضمن میں تو دین کی پاسداری کی جاتی ہے لیکن عملی زندگی میں قرآن و سنت کے واضح احکامات سے روگردانی کو شعار بنا لیا گیا ہے۔ ایسی روش اختیار کرنے والے زیر نظر آیت کی رو سے دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں سزا پائیں گے۔ دنیا کی زندگی میں انہیں بے وقعت اور ذلیل و خوار کر دیا جائے گا جبکہ قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کے مستحق قرار پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال سے پوری طرح واقف ہیں اور دین کے مقابلے میں دنیا کے عیش و آرام کو ترجیح دینے والوں کو آخرت میں کوئی چھوٹ نہیں ملے گی' نہ ہی کوئی انہیں سزا سے بچا سکے گا۔

☆ ☆ ☆

فرمان نبوی

تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَقَالَ اَوْصِنِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ رَاْسُ کُلِّ شَیْءٍ وَعَلَیْکَ بِالْجِهَادِ فَاِنَّهٗ رَهْبَانِیَّةٌ فِی الْاِسْلَامِ وَعَلَیْکَ بِذِکْرِ اللّٰهِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّهٗ رَوْحُکَ فِی السَّمَآءِ وَذِکْرٌ لَّکَ فِی الْاَرْضِ اَخْرَجَهُ اَحْمَدُ وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لِکُلِّ نَبِیٍّ رَهْبَانِیَّةٌ وَرَهْبَانِیَّةُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (از احادیث صحیحہ علامہ ناصر الدین الالبانی)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے تقویٰ (اللہ کی نافرمانی چھوڑنے) کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ ہر چیز کی چوٹی (سر) ہے اور تم پر جہاد کرنا فرض ہے کیونکہ اسلام میں یہی رہبانیت ہے اور تم پر لازم ہے اللہ کی یاد اور قرآن مجید کی تلاوت کیونکہ یہ آسمانوں میں تیرے لئے رحمت اور خوشی کا سبب ہو گی اور دنیا میں تیری یاد کا ذریعہ۔ ایک اور روایت میں حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے لئے رہبانیت (دنیا سے علیحدگی) لازم ہے اور اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

سب سے اہم اور بنیادی چیز اللہ کا تقویٰ ہے کہ یہ ہو گا تو ہر عمل میں اخلاص آ جائے گا۔ اسی طرح دنیا سے بے رغبتی اور کنارہ کشی تو ایمان کا لازمی مظہر ہے اور اس کی بہترین صورت جو اس امت کو عطا ہوئی وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے گھر بار اور اہل و عیال کو چھوڑ کر نکلنا ہے۔ اس سے بہتر بے رغبتی پیدا کرنے والی اور کیا چیز ہو سکتی ہے کہ جان و مال ہی تو انسان کی پیاری چیزیں ہیں جنہیں وہ اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا ہے۔ اللہ کا ذکر اور قرآن مجید کی تلاوت ہر مسلمان پر لازم ہے۔ یہ چیزیں اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور دنیا میں قرآن کی تعلیم پر عمل کرنے سے انسان میں بہترین اخلاق پیدا ہو گا جو دنیا میں اس کی یاد کا ذریعہ ہو گا' کیونکہ دنیا انہی لوگوں کو یاد رکھتی ہے جو انسانیت کے لئے کچھ کر گزریں۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

جلد 11 شمارہ 3

17 تا 23 جنوری 2002ء

(۲۵ شوال تا یکم ذیقعد ۱۴۲۲ھ)

بانی : اقتدار احمد مرحوم

مدیر : حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خراسانی

معاونین: مرزا ایوب بیگ ' سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار ' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس ' ریلوے روڈ ' لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

قیمت : 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون :

اندرونِ ملک...... 250 روپے

بیرونِ پاکستان:

☆ یورپ ' ایشیا ' افریقہ وغیرہ

.... 1500 روپے

☆ امریکہ ' کینیڈا ' آسٹریلیا وغیرہ

.... 2200 روپے

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفتہ رفتہ کا اہم ترین واقعہ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کا قوم سے خطاب تھا جس میں اصل روئے سخن بھارت اور امریکہ کی جانب تھا۔ اس خطاب کے حسن و قبح پر بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے تاہم سطور ذیل میں صدر پاکستان کے اس خطاب پر امیر تنظیم اسلامی کا ردعمل ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے جو ایک اخباری اشتہار کی صورت میں ہے:

جنابِ جنرل پرویز مشرف

السلام علیکم
ویہدیکم اللہ

آپ کے تاریخی خطاب کے بعض دوسرے نکات خصوصاً جہادِ کشمیر اور جہادِ حریت سے پسپائی سے قطع نظر '

آپ کا پاکستان کو "اسلام کا قلعہ" قرار دینا بہت مبارک ہے!

اور یہاں علامہ اقبال اور قائداعظم کے تصورات کے مطابق "اسلامی فلاحی ریاست" کے قیام کا عزم بھی نہایت خوش آئند ہے!! ___ لیکن آپ اپنے ان فرمودات کے لئے عمل کی گواہی بھی پیش کریں!!!

چنانچہ یہاں اسلامی ریاست کی شرطِ اوّل کی تکمیل کے طور پر

قرآن وسنّت کی کامل بالادستی

قائم کرنے کے لئے دستورِ پاکستان میں موجود اسلامی دفعات کو غیر موثر بنانے والے چور دروازے بند کر دیں ___ اور جہاں آپ دستور میں بعض دوسری ترامیم پر غور کر رہے ہیں وہاں حسب ذیل ترمیم تو فوری طور پر نافذ کر دیں:

(۱) دفعہ ۲۲۷ کو کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی سے علیحدہ کر کے دفعہ ۲۔ الف یعنی "قراردادِ مقاصد" کے ساتھ دفعہ ۲۔ ب کی حیثیت دے دیں اور اس کی شق (۲) کو حذف کر دیں۔

(۲) فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ کار پر عائد جملہ تحدیدات ختم کر دی جائیں تاکہ ہم اللہ کے مطالبہ کے مطابق "اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو سکیں!"

(۳) فیڈرل شریعت کورٹ کے ججوں کی شرائط ملازمت ہائی کورٹس کے ججوں کے مساوی کر دی جائیں اور ان کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ اس غرض کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل میں شامل علماء کی خدمات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد کونسل کو ختم کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں' اس لئے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے بعد اس کی چنداں ضرورت باقی نہیں ہے!

اگر آپ اس سمت میں قدم بڑھائیں تب تو یہ گمان کیا جا سکے گا کہ مساجد کی تنظیم اور دینی مدارس کی اصلاح و ترقی کے ضمن میں آپ کے اقدامات نیک نیتی پر مبنی ہیں

بصورتِ دیگر یہی سمجھا جائے گا کہ آپ "اسلام کا قلعہ" اور "اسلامی فلاحی ریاست" کی گردان کرتے ہوئے اصلاً پاکستان میں ایک خالص سیکولر نظام کے قیام کا عزم مصمم کر چکے ہیں اور مساجد و مدارس پر کنٹرول کے ذریعے اصل میں سیکولرزم کے خلاف ممکنہ عوامی ردِعمل کو روکنا مطلوب ہے!

اس ضمن میں اس سے قطع نظر کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو بھی سکیں گے یا نہیں' اس لئے کہ خواہ آپ اس وقت بظاہر "آل پاورفل" یعنی بقول جنرل ضیاء الحق مرحوم "قادرِ مطلق" نظر آ رہے ہیں' چونکہ میرے نزدیک پاکستان کا قیام مشیت ایزدی اور حکمت خداوندی میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور پورے عالم انسانیت کے لئے ایک روشنی کا مینار بننے کے لئے ہوا ہے' چنانچہ امید قوی ہے کہ جو بھی اس ارادۂ خداوندی سے ٹکرائے گا خود پاش پاش ہو جائے گا'

ایک آخری بات اور بھی عرض کرنی ہے

اور وہ صرف اس "حسن ظن" کی بنیاد پر کہ اگرچہ آپ کا دین و مذہب کے ساتھ تو کوئی گہرا تعلق نہیں ہے' تاہم آپ پاکستان کے ساتھ مخلص ہیں اور اس کے بقا و استحکام کے تہہ دل سے متمنی ہیں اور وہ یہ کہ پاکستان کے حق میں سیکولرزم سم قاتل ہے' اس لئے بھی کہ اس سے پاکستان کا "RAISON D'ETRE" ختم ہو جائے گا ___ اور اس لئے بھی کہ یہاں عوام کے اتحاد کے لئے اسلام کو چھوڑ کر کوئی "ترک نیشنلزم" یا "عرب نیشنلزم" قسم کا نسلی یا لسانی نیشنلزم موجود نہیں ہے۔ اس صورت میں پاکستان' خاکم بدہن' لامحالہ عظیم تر سیکولر ریاست "مہا بھارت" میں مدغم ہو جائے گا!

[illegible] **ڈاکٹر اسرار احمد** امیر تنظیم اسلامی

بیسویں صدی عیسوی کی احیائی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۱ جنوری ۲۰۰۲ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

اس امت مسلمہ کے جو چودہ سو سال گزر چکے ہیں اس میں یہ امت دو مرتبہ عروج سے ہمکنار ہوئی' اور دو مرتبہ ہی زوال سے دوچار ہوئی۔ ہمارا پہلا عروج عربوں کی زیر قیادت تھا' اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ خود عرب تھے اور آپ کی اولین بعثت انہی عربوں کے لئے تھی۔ گویا عربوں کو امت مسلمہ کے مرکز و محور کی حیثیت حاصل تھی۔ لہٰذا پہلے نبی اکرم ﷺ کے زیر قیادت اور پھر آپؐ کے بعد خلافت راشدہ' پھر خلافت بنوامیہ' پھر خلافت بنوعباس تک لگ بھگ چھ سو برس کا عرصہ بنتا ہے جس میں امت کی قیادت عربوں کے ہاتھوں میں تھی۔ تاہم عربوں کی زیر قیادت مسلمانوں کے عروج کا دور چار سو برس تک رہا' بعد کا دور مسلمانوں کے زوال پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں کے اس پہلے عروج کا کلائمیکس ایک اعتبار سے ہارون الرشید اور مامون الرشید کے دور کا ہے کہ جب کرہ ارضی پر عربوں کی اس سلطنت کے علاوہ کوئی بڑی سلطنت موجود نہ تھی۔ نہ صرف یہ وسعت کے اعتبار سے عظیم ترین سلطنت تھی' بلکہ اس میں علم' سائنس' فلسفہ' ہر طرح کی روشنی موجود تھی۔ مسلمان حقیقتاً دنیا کی امامت کے منصب پر فائز تھے۔ جبکہ اُس وقت یورپ خود یورپی مورخین کے مطابق Dark Ages میں تھا۔

بہرحال پھر مسلمانوں کا زوال شروع ہوا' سب سے پہلے صلیبیوں نے آ کر درگت بنائی' لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا' یروشلم چھین لیا' ۸۸ برس تک صلیبیوں کا قبضہ رہا۔ اس کے بعد تاتاریوں کی یورش ہوئی' کروڑوں مسلمان قتل ہوئے۔ تاتاریوں نے خوارزم شاہ کی عظیم مملکت خراسان تہس نہس کر دی' افغانستان اور ایران کا کچومر نکال دیا' عراق کا بیشتر حصہ تہس نہس کر دیا۔ ۱۲۵۸ء میں بنوعباس کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو تاتاریوں نے محل سے گھسیٹ کر باہر نکالا اور ایک جانور کی کھال میں لپیٹ کر اس کے اوپر گھوڑے دوڑا دیئے' یہ حشر ہوا خلیفۂ وقت کا۔ عربوں کا یہ عروج اور زوال دراصل مسلمانوں کا دورِ اوّل تھا۔ دوسرا عروج معجزانہ طور پر شروع ہوا' یعنی وہی تاتاری جنہوں نے کروڑوں مسلمانوں کو قتل کیا تھا' ایمان لے آئے۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ازبکستان' تاجکستان' قازقستان' افغانستان اور چینی ترکستان میں جتنے قبائل آباد ہیں یہ سب تاتاری ہیں۔ عثمان خان ایک تاتاری سردار تھا' جس کی ایک چھوٹی سی حکومت ایشیائے کوچک میں قائم تھی' اُسی نے عظیم سلطنت عثمانیہ کی بنیاد رکھی اور خلافت کا علم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ ہمارے عروج کا دوسرا دور تھا۔ لیکن خلفاء بنی عباس کی طرح جب یہاں بھی شمشیر و سناں پر طاؤس و رباب غالب آنے لگے' عیاشیاں ہونے لگیں تو پھر زوال آ گیا۔ زوال کا یہ دوسرا دور ہم پر یورپی نوآبادیاتی نظام کے ذریعے سے آیا۔ سب سے پہلے ہسپانیہ ختم ہوا' ۱۴۹۲ء میں غرناطہ کا سقوط ہوا۔ اس کے چھ سات سال کے بعد یورپی استعمار کا جو سیلاب آیا ہے' اس نے رفتہ رفتہ انڈونیشیا' ملائشیا سمیت پورے عالم اسلام کو نگل لیا۔ پچھلی صدی کے آغاز میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد' مسلمانوں کی عظیم سلطنت عثمانیہ جو تین براعظموں یعنی شمالی افریقہ' مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ پر پھیلی ہوئی تھی' دنیا کے نقشے پر سے غائب ہو گئی' صرف چھوٹا سا ملک ترکی رہ گیا۔ سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ سے گویا کہ ہمارا دوسرا عروج اپنے زوال کی انتہا کو پہنچ گیا۔ یہ زوال انتہائی مایوس کن تھا۔ قومی شاعر مولانا حالی نے اس صورت حال پر جو شعر کہے تھے وہ کلیجے کو پار کر دینے والے ہیں ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

مسلمانوں کے اس زوال پر مسدس حالی کے آخر میں حضور ﷺ سے مناجات کرتے ہوئے حالی نے یہ دردانگیز اشعار بھی کہے ؎

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

بہرحال قدرت کا قانون ہے کہ جس طرح مد کے بعد جزر آتا ہے تو اسی طرح جزر کے بعد مد بھی آتا ہے۔ "ہر کمالے را زوالے" کی طرح ہر زوال کے بعد عروج بھی آتا ہے' چنانچہ امت مسلمہ میں اب ایک بار پھر تیسرے عروج کی طرف پیش رفت کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس عروج کا سب سے پہلا مرحلہ آزادی کی تحریکیں تھیں جو یورپ کے نوآبادیاتی نظام کے خلاف چلیں۔ ان تحریکوں کے نتیجے میں یورپی استعمار سے جہاں دوسرے ملکوں نے آزادی حاصل کی وہاں مسلمان ممالک بھی آزاد ہوئے۔ آزاد ہونے کے بعد انہیں یہ خیال آیا کہ پہلے ہم محکوم تھے' انگریز جو قانون بناتا تھا اسے ماننے پر ہم مجبور تھے' لیکن اب ہم آزاد ہیں۔ ہمارا ایک نظام ہے' ہمارا ایک دین' ہماری شریعت ہے' ہمارا اپنا فوجداری اور سول قانون ہے' ہمارا ایک قانون شہادت ہے' ہمارا قانون وراثت ہے۔ لہٰذا مسلمان ممالک میں اسلامی نظام اور قانون عام ہونا چاہئے۔ چنانچہ احیائی تحریکوں کا دور شروع ہوا۔ ان تحریکوں کا انڈونیشیا سے آغاز ہوا' جہاں مسجومی پارٹی قائم ہوئی' اسی طرح انڈیا میں مولانا مودودی کی جماعت اسلامی' ایران میں فدائین' مصر کی الاخوان المسلمون جو بعد ازاں تمام عالم عرب کی نمائندہ جماعت بن گئی' ترکی میں سعید نورسی کی تحریک اور لبنان میں عبادالرحمٰن کی تحریک برپا ہوئی۔ یہ تمام تحریکیں قریباً ایک ہی وقت میں ابھریں۔ ان سب کا طرز فکر' تصور دین اور طریقۂ کار قریباً ایک جیسا تھا۔ تقریباً پون صدی بیت چکی ہے لیکن افسوس صد افسوس کسی بھی جگہ ان تحریکوں کو کامیابی نہیں ہوئی' یہ ایک غور طلب بات ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ حالانکہ ان کی نیتیں ٹھیک تھیں' مقاصد نیک تھے' یعنی اسلام کی بازیافت' اسلام کو ایک نظام کی حیثیت سے قائم کرنا' تاکہ دنیا کو دعوت دی جا سکے کہ آؤ دیکھو یہ ہے اسلام' یہ ہے اللہ کی ریاست' یہ ہے اسلامی حکومت و معیشت' یہ ہے اسلامی معاشرہ' یہ ہے عدل و قسط پر مبنی نظام' لیکن انہیں کہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ ان احیائی تحریکوں کے علاوہ بعض مسلمان ممالک میں کچھ سیاسی تحریکیں اٹھیں جنہیں اسلام کے نام پر جزوی کامیابی حاصل ہوئی۔ ایسا ایک معاملہ تو ایران میں ہوا' جہاں پہلے ایک خالص سیاسی تحریک جو دراصل اینٹی شاہ تحریک تھی کہ جس میں کمیونسٹ بھی شامل تھے' علماء بھی شامل تھے' لبرل عناصر بھی شامل تھے' اس تحریک کو اس کے کلائمکس پر آ کر علماء نے ہائی جیک کر لیا اور وہاں علماء کی ایک حکومت قائم ہو گئی۔ لیکن یہ احیائی تحریکوں کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ ایک سیاسی تحریک نے اچانک یہ شکل اختیار کر لی کہ وہاں پر ایک مذہبی حکومت قائم ہو گئی۔ دوسرا معاملہ افغانستان میں ہوا۔ وہاں بھی کسی احیائی تحریک کے نتیجے

میں طالبان کی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی' بلکہ افغانستان میں اچانک روسی فوجیں داخل ہوگئیں اور اس کے جواب میں پوری افغان قوم کھڑی ہوگئی' وہ غلام رہنا جانتی ہی نہیں۔ اس پر امریکہ نے مضبوط گھوڑا دیکھ کر داؤ لگایا' اس نے انہیں پیسے اور ہتھیار دیئے کیونکہ اسے اپنے اس دشمن کو جس سے وہ خائف تھا' ختم کرنے کا موقع مل گیا۔ امریکہ نے افغانوں کو جدید اسلحہ یہاں تک کہ سٹنگر میزائل بھی دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روسیوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا اور USSR تحلیل ہوگیا۔ لیکن چونکہ یہ ایک خالص اسلامی جہاد نہیں تھا' جو ایک امیر کی رہنمائی میں ہوتا بلکہ یہ مختلف گروپس تھے جو جہاد حریت میں شریک تھے' لہٰذا روس کے جانے کے بعد وہ آپس میں لڑ پڑے اور خانہ جنگی ہوگئی۔ مختلف علاقوں میں کئی حکومتیں قائم ہوگئیں۔ عورتوں' بچوں پر ظلم کی انتہا ہوگئی۔ ایسی صورت میں ملا عمر اس ظلم کے خلاف جرأت کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ لوگوں نے ان کا ساتھ دیا اور افغانستان پکے ہوئے پھل کی طرح ان کی جھولی میں آ گرا۔ گویا یہ بھی کسی احیائی تحریک اور انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں نہیں ہوا۔

اب ان میں فرق سمجھ لیجئے۔ وہ جو احیائی تحریکیں تھیں' ان میں سے بعض اب بھی موجود ہیں' لیکن اکثر و بیشتر تحریکیں ختم ہو چکی ہیں۔ فدائین کا کہیں ذکر تک نہیں ملتا۔ صرف دو تحریکیں باقی رہ گئی ہیں۔ ایک جماعت اسلامی کی تحریک اور دوسری الاخوان المسلمون کی تحریک۔ الاخوان آج بھی عالم عرب میں بیشتر ممالک کے اندر کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ جبکہ جماعت اسلامی بھی پانچ چھ ملکوں میں موجود ہے۔ لیکن ان تحریکوں کو کامیابی کہیں نہیں ہوئی۔ دونوں جماعتوں میں ایک مشترک بات یہ ہے کہ یہ تحریکیں فقہی اختلافات اور عقائد کے کلامی اختلافات سے ماوراء ہیں۔ آپ حنفی ہیں' شافعی یا مالکی ہیں' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ اقامت دین کی جدوجہد میں شریک ہو جائیں تو ان کے ساتھی ہیں۔ دوسری بات یہ یقین کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور یہ کہ اس کے غلبے کے لئے جدوجہد کرنا لازم ہے ان تحریکوں کی جڑ میں موجود ہے۔ لیکن نصف صدی سے زائد گزرنے کے باوجود ان تحریکوں کو کہیں کامیابی نہیں ہو سکی۔ البتہ ایک تحریک جو بعض اعتبارات سے جماعت اسلامی اور الاخوان کا اینٹی کلائمکس ہے یعنی تبلیغی جماعت' وہ اپنی جگہ بہت کامیاب نظر آتی ہے۔ تبلیغی جماعت دراصل اسلام کے صرف مذہبی تصور کی علمبردار ہے۔ یعنی اپنی عبادات' اپنے وضع قطع میں' شکل و صورت میں اسلامی رخ اختیار کرنا اور سنت کے مطابق ہونا اس اعتبار سے یہ نہایت فعال تحریک ہے۔ لیکن اسلام کا یہ پہلو کہ یہ ایک دین ہے' مکمل نظام حیات ہے جسے غالب و قائم کرنا مسلمانوں کا اہم دینی فریضہ ہے ان کے ہاں سرے سے مفقود ہے۔ آج دنیا میں اسی تصور مذہب ڈنکا اسی کا بج رہا ہے جو سیکولر فکر کے ساتھ ختم ہو چکا ہے۔ یہ لوگ بھی چونکہ نظام حیات کی تو بات ہی نہیں کرتے' کوئی سیاسی بات ہی نہیں کرتے' لہٰذا تبلیغی جماعت پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اسرائیل میں بھی ان پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

بہرکیف غور طلب بات یہ ہے کہ ان احیائی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب کیا ہیں؟ ان کی ناکامی کے تین اسباب ہیں۔ پہلا سبب عجلت پسندی ہے یعنی ان تحریکوں نے پوری طرح فضا کو ہموار کئے بغیر قومی سیاست کے میدان میں دخل دیا' اور انتخابات کے میدان میں آ گئے۔ لہٰذا اصولی اسلام پسند جماعت کی بجائے اب وہ ایک سیاسی جماعت بن گئے۔ پاکستان کی تاریخ کو اگر ہم سامنے رکھیں تو پاکستان میں مسلم لیگ کے کمزور پڑ جانے کے بعد ایک سیاسی خلا پیدا ہوا تھا' جس کا فائدہ جماعت اسلامی نے اٹھانا چاہا تھا لیکن چونکہ دعوت دین کے ذریعے سے ابھی تک میدان ہموار نہیں ہوا تھا لہٰذا جماعت کو الیکشن میں کامیابی نہ مل سکی اور سیاسی اعتبار سے جاگیردارانہ نظام اور برادری پر مبنی نظام مسلط ہوگیا۔ برادری کی بنیاد پر الیکشن میں ووٹ ملے یا جاگیردار کے انگوٹھے تلے سارے ووٹ تھے۔ لہٰذا دینی جماعتوں کو منہ کی کھانا پڑی لیکن افسوس کہ بعض دینی جماعتیں اب بھی اس دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں۔

ان جماعتوں کی ناکامی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ان تحریکوں میں ایمان پر وہ زور نہیں ہے جو ہونا چاہئے تھا۔ عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے ہم مسلمان ہیں تو ہمارے پاس ایمان ہے۔ میں مسلمان ہوں تو اللہ' آخرت اور ختم نبوت کو تو مانتا ہوں۔ حالانکہ ایمان کے دو درجے ہیں' ایک ایمان اقرار باللسان والا ہے۔ وہ موروثی طور پر ہمیں والدین سے مل جاتا ہے جس کے نتیجے میں دنیا میں ہم مسلمان قرار دیے جاتے ہیں۔ گویا یہ قانونی ایمان ہے۔ لیکن وہ ایمان جس کی بنیاد پر کوئی انقلابی تحریک چلتی ہے وہ ''تصدیق بالقلب'' والا ایمان ہے۔ کیونکہ تحریک میں جان و مال کی قربانیاں دینی پڑتی ہیں' تن من دھن لگانا پڑتا ہے' اس کے لئے یقین والا ایمان درکار ہے۔ اس دنیا پر اتنا یقین نہ ہو جتنا آخرت پر یقین ہو۔ مادی وسائل پر اتنا اعتماد نہ ہو جتنا اللہ پر اعتماد ہو۔ سارے وسائل موجود ہوں اور یقین یہ ہو کہ کچھ نہیں ہو سکتا اگر اللہ نہ چاہے' اگر کوئی وسائل نہیں ہیں تب بھی نتیجہ نکل سکتا ہے اگر اللہ چاہے۔ جب تک اس درجے کا ایمان نہیں ہے' بات نہیں بنے گی۔ اس ضمن میں یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ ایک ایمان ہے عوام الناس کا اور ایک ایمان ہے معاشرے کے دانشمند اور ذہین افراد کا۔ اس دانشمند طبقے کے اندر ایمان پیدا کرنا بہت مشکل کام ہے۔ عام آدمی کا دل اور دماغ کلین سلیٹ کی طرح ہے۔ اس پر کچھ لکھا ہوا ہے ہی نہیں۔ نہ اسے یہ پتہ ہے کہ ڈارون کس بلا کا نام ہے۔ نہ اسے یہ پتہ ہے کہ فرائڈ کس چڑیا کا نام ہے۔ برٹرنڈ رسل کون تھا' آئن سٹائن کون تھا۔ لہٰذا ان کے لئے وعظ و نصیحت بھی کفایت کرتی ہے۔ لیکن یہ جو پڑھے لکھے لوگ ہیں ان میں کوئی ڈارون کا اسیر ہے' کوئی مارکس کا گرویدہ ہے' کوئی کسی اور کے فلسفے میں سرگرداں ہے' لہٰذا ان کے اندر ایمان پیدا کرنے کے لئے پہلے ان کے دماغوں میں بھرے خناس کی صفائی کرنا ہوگی یعنی بڑے پیمانے پر ان کی تطہیر فکر ہو' پھر ان کے اندر ایمان پیدا ہوگا۔ یہ حصہ ان تحریکوں میں سرے سے مفقود رہا ہے۔

احیائی تحریکوں کی ناکامی کا تیسرا اور سب سے بڑا سبب تشدد کے راستے کا اختیار کرنا ہے جسے دنیا آج دہشت گردی کا نام دے رہی ہے۔ اگرچہ ایک درجے میں دہشت گردی کا جواز بنتا ہے کہ اگر کسی فرد کو دھونس اور دھاندلی کے ذریعے اس کے حقوق سے محروم کر دیا جائے' ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے' تو اس کی طرف سے غصے کا کسی طور اظہار تو ہوگا۔ دشنام' نالہ' ہاؤ ہو فریاد کچھ تو ہو۔ ایسا شخص Rules of the games کی پابندی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر کسی قوم کا یہ حال ہو کہ اسے چاروں طرف سے گھیر لیا جائے۔ کسی ظلم و ناانصافی کی حد کر دی جائے جیسا کہ فلسطینیوں کے ساتھ ہو رہا ہے کہ ۲۰۰۰ سال سے ایک قوم ارض فلسطین سے نکلی ہوئی تھی اسے زبردستی ان کے سینے پر لا کر سوار کر دیا گیا۔ لہٰذا کوئی مجبور اور مقہور قوم ردعمل کے اظہار میں کوئی غلط حرکت کر بیٹھے' تو اس کے لئے یقیناً کوئی جواز ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ قیام اسلام اور احیائے اسلام کی جدوجہد میں اس دہشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان احیائی تحریکوں سے یہی غلطی ہوئی۔ خوش قسمتی سے پاکستان کی جماعت اسلامی اس راہ سے بچ گئی ہے لیکن عام طور پر عرب ممالک میں الاخوان کا معاملہ یہ ہوا کہ جب بیلٹ کے ذریعے سے راستہ رک گیا تو فوراً ان کے ایک گروپ نے بلٹ کی راہ اختیار کر لی۔ مصر میں الاخوان سے ایک حصہ ٹوٹ کر الگ ہوا تو اس نے دہشت گردی شروع کی۔ انور سادات کو مارنے والے یہی لوگ تھے۔ انہی میں سے پھوٹی تھی حزب التحریر جس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ فوج کے اندر انقلاب برپا کرو۔ اسی طرح مصر میں ''جماعت اسلامیہ'' جس کے لیڈر عمر عبدالرحمٰن اس وقت امریکی جیل میں پڑے ہوئے ہیں ان پر بھی دہشت گردی کا الزام ہے۔ ان چیزوں نے عالم اسلام کی احیائی تحریکوں کو بہت شدید نقصان پہنچایا ہے۔ الجزائر میں بھی یہی ہوا تھا۔ وہاں انتخابات کے ذریعے دینی عناصر کو کامیابی ہو رہی تھی لیکن جب فوج نے آ کر راستے میں رکاوٹ ڈال دی تو نتیجہ یہ نکلا کہ تشدد کی راہ اپنا لی گئی۔ گرنیڈ پھینکے جا رہے ہیں

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

صدر نے کشمیر کاز کو اپنے ہاتھوں قبر میں اتار دیا

اسرائیل اپنے مقصد کے حصول کے لئے بھارت کو اکساتا رہے گا

حکومت اور مذہبی جماعتوں کے درمیان خلیج سے صرف دشمن ہی فائدہ اٹھائے گا

اپنا چاہے کتنا ہی برا ہو اس کی توہین وتحقیر سے غیروں کو ہنسنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے

دوسروں کو رواداری کا درس دینے والے صدر کیا اس کا اطلاق اپنی ذات پر بھی کریں گے؟

مذہبی رہنماؤں کو بے نقط سنا کر صدر نے دشمنوں کے پروپیگنڈا کی تصدیق کی

جنگ کا خطرہ ٹل گیا' ختم نہیں ہوا

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

ابوالحسن

شریف النفس اور خاندانی عزت ووقار کو اہمیت دینے والا ہر شخص جب اپنے اہل خانہ میں سے کسی پر سخت ناراض ہوتا ہے تو وہ اس پر برسنے اور اسے برا بھلا کہنے سے پہلے گھر کے در و دریچے بند کر لیتا ہے تاکہ گھر کا معاملہ گھر تک رہے۔ اپنا چاہے کتنا ہی برا ہو اس کی توہین وتحقیر سے غیروں کو ہنسنے کا موقع نہیں ملنا چاہئے۔ خاندان کا سربراہ ناراضگی کے باوجود اس کی رسوائی پسند نہیں کرتا۔ اس کی عزت کو اپنی عزت اور اس کی توہین کو اپنی توہین سمجھتا ہے۔ پاکستان کے جنرل مشرف جو بدقسمتی سے پاکستان کے صدر بھی ہیں' انہوں نے اپنی ایک نشری تقریر میں مذہبی ودینی جماعتوں کو اتنا لتاڑا اور برا بھلا کہا ہے کہ شاید ماضی میں کسی نے اتنا سخت اور معاندانہ رویہ اختیار نہ کیا ہو۔ یہ نشری تقریر جس کے بارے میں آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ اتنی وسیع اور اعلیٰ سطح پر کسی پاکستانی سربراہ مملکت کی تقریر نہیں سنی گئی ہوگی' جس تقریر کا امریکہ اور یورپ سمیت عالمی سطح پر بے تابی سے انتظار کیا گیا اور جسے سی این این اور بی بی سی سے براہ راست نشر کیا گیا اور جس تقریر کو صدر بش نے غور سے سنا اور فوری ردعمل کا اظہار کیا' اس تقریر کا آغاز کچھ یوں ہوا کہ پاکستان کے مسلمانوں کی مذہبی جماعتیں جنگجو ہیں' جاہل مطلق ہیں' دن رات باہمی طور پر دست وگریبان رہتی ہیں 'دوسرے ممالک میں دہشت گردی کرتی ہیں۔ ان جماعتوں کے متعلقین جدید علوم سے یکسر محروم اور نابلد ہیں۔ یہ لوگ عقل وشعور نہیں رکھتے' احساس فرض ناپید ہے اور ملکی وقومی نفع ونقصان سے انہیں کوئی غرض نہیں۔ اگرچہ جنرل مشرف نے یہ الفاظ مذہبی جماعتوں کے لئے استعمال نہیں کئے لیکن جو کچھ کہا اس کے علاوہ اس کا کچھ اور مطلب نہیں نکلتا تھا۔ یقیناً دینی جماعتوں کے اراکین اور ان کی قیادت کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا وہ سرے سے ہی غلط تھا اور دینی جماعتوں میں ان غلطیوں اور کوتاہیوں کا شائبہ تک نہیں ہے بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ ایک ایسا موقعہ جبکہ ایک دنیا آپ کو سن رہی تھی' آپ نے اپنے اہل وطن میں سے ایک طبقہ کی یک طرفہ تصویر دکھانی کیوں ضروری محسوس کی۔ آپ نے مذہبی رہنماؤں کو بے نقط سنا کر دشمنوں کے پروپیگنڈا کی تصدیق کی۔ دنیا کو یہ کہنے کا موقع دیا کہ پاکستان کا صدر خود تسلیم کرتا ہے کہ ہمارے مذہبی لیڈر جاہل اور جنگجو ہیں' وہ دوسروں کے معاملات میں بے جا مداخلت کرتے ہیں۔ لہٰذا بھارت کا یہ دعویٰ یقیناً درست ہوگا کہ اس کے ملک میں پُرتشدد کارروائیوں کا ذمہ دار پاکستان ہے۔ جنرل مشرف نے یہ سب کچھ لوکل سطح پر کسی تقریب کے دوران کہا ہوتا تو صرف یہ کہا جا سکتا تھا کہ انہوں نے کچھ مبالغہ کیا ہے۔ ان کی بات کو کوئی مکمل طور پر غلط نہ کہتا اور مساجد اور مدارس کے معاملے میں جو باتیں انہوں نے کہی' ان پر سنجیدگی سے غور کیا جاتا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی جماعتوں کے بارے میں اپنے خیالات کے اظہار کے لئے جس موقعہ کا انتخاب کیا اور جو انداز اختیار کیا اس سے حکومت اور مذہبی جماعتوں کے مابین ایسی خلیج پیدا ہو جائے گی جس کو پاٹنا انتہائی مشکل ہوگا اور یہ اختلافات جواب دشمنی کا رنگ اختیار کر لیں گے' صرف اور صرف ہمارے دشمن کو راس آئیں گے۔

جنرل مشرف صاحب! اگرچہ جو الزام تراشی آپ نے مذہبی جماعتوں پر کی ہے ان میں سے ہر ہر نکتہ پر بحث کی جا سکتی ہے لیکن اس سے بات بہت طویل ہو جائے گی۔ یہاں اس وقت صرف ایک نکتہ پر آپ کو راقم گریبان میں جھانکنے کی دعوت دیتا ہے۔ آپ نے علماء میں مذہبی رواداری کے فقدان کا ذکر کیا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ کوئی ایسا غلط الزام نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ سے یہ کہا جائے کہ آپ بھی ملکی مفاد کو ترجیح دیتے ہوئے سیاسی رواداری کا مظاہرہ کریں اور نواز شریف کو وطن واپس لوٹنے کی دعوت دیں تو آپ قبول فرمائیں گے؟ جہاں تک نواز شریف کی کرپشن کے سلسلے میں انہیں قید وبند اور جرمانہ کی سزا دی گئی تھی وہ تو آپ نے غیر آئینی طریقے سے ہی سہی' بہر حال معاف کر دی لیکن انہیں جلاوطن کر دیا کہ آپ کے اقتدار کو خطرہ تھا۔ اب ان ہنگامی اور پرخطر حالات میں قومی یکجہتی کی خاطر ملکی

مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیتے ہوئے سیاسی رواداری کا مظاہرہ کریں اور خود انہیں واپس وطن بلالیں۔ آپ نفرتوں کے خاتمے کے بہت بڑے مبلغ ہیں۔ آپ کے اس قدم سے آپ کی حکومت اور ان کے ووٹ بینک کے درمیان نفرت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو آپ پر دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت کا محاورہ چسپاں ہوگا اور جو کچھ آپ نے دوسروں کو کہا ہے' آپ کو بھی لازماً کہا جائے گا۔

جنرل مشرف کی تقریر کا دوسرا حصہ کشمیر کے حوالہ سے بھارت سے تعلقات اور جنگی صورت حال کے بارے میں تھا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ جنرل صاحب نے طالبان کے خلاف امریکہ سے تعاون کرنے کی جو چار وجوہات بتائی تھیں' ان میں سے ایک اہم حصہ کشمیر کاز بھی تھی۔ یوں تو کشمیر کے حوالہ سے ہمارا ہر حاکم گرم سرد بولتا رہا ہے لیکن جنرل مشرف خاص طور پر کشمیر کاز کے چیمپئن بنے۔ پھر آگرہ سمٹ کے بعد وہ کشمیر کے ہیرو بن کر ابھرے۔ دہشت گرد اور آزادی کے مجاہد کے فرق کو وہ بآواز بلند واضح کرتے رہے۔ لیکن اپنی اس نشری تقریر میں انہوں نے یہ کہہ کر کہ کشمیر ہمارے خون میں رچا بسا ہے' انہوں نے جذباتی انداز تو یقیناً اختیار کیا لیکن دہشت گردی اور تحریک آزادی کے اس فرق کا ذکر نہ کر کے انہوں نے واضح پسپائی اختیار کی ہے۔ یعنی جس کشمیر کاز کی خاطر اپنے مسلمان افغان بھائیوں کو تباہ و برباد اور ہلاک کرنے میں امریکہ کے معاون بنے اسی کشمیر کاز کے بارے میں اگر کہا جائے کہ جنرل صاحب نے اسے اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتار دیا ہے تو کوئی ایسا غلط نہیں ہوگا۔

جنرل مشرف کا یہ کہنا کہ جہادی تنظیم پر پابندیاں عائد کرنا اور انہیں کالعدم قرار دینا میری شروع سے پالیسی کا حصہ ہے اور یہ کسی بیرونی دباؤ کا نتیجہ نہیں ہے' شاید زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اگر اس وقت کوئی سول جمہوری حکومت ہوتی تو وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھی کہ یہ سب کیا دھرا آئی ایس آئی کا ہے۔ وہ براہ راست فوج کے ماتحت تھی۔ کشمیر میں مداخلت کے بارے میں وہ سول حکومت کو گھاس نہیں ڈالتی تھی اور من مانی کارروائیاں کرتی تھی۔ جہادی تنظیموں کو آئی ایس آئی نے جنم دیا' اسی نے پالا پوسا اور جوان کیا۔ اس مقصد کے لئے اتنے فنڈز لئے گئے کہ ترقیاتی کام ادھورے رہ جاتے تھے۔ حکومت صحت اور تعلیم جیسی بنیادی ضروریات سے صرف نظر کر کے آئی ایس آئی کے مطالبات پورے کرتی رہی۔ ان چیزوں کو بنیاد بنا کر کوئی سول جمہوری حکومت جہادی تنظیم کو کالعدم قرار دے دیتی تو بات کچھ نہ کچھ سمجھ آنے والی تھی۔ سوال یہ ہے کہ فوجی حکومت کے پاس جہادی تنظیم کو برا بھلا کہہ کر پابند سلاسل کرنے کا کیا جواز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت فوجی حکومت کا جہادی تنظیم پر پابندی عائد کرنا اعتراف جرم کے سوا کچھ نہیں۔ یہ یوٹرن بیرونی قوتوں سے خوف زدہ ہو کر اٹھایا گیا ہے اور یہ پسپائی کی اس پالیسی کا حصہ ہے جو ۱۱ ستمبر کے بعد سے مشرف حکومت نے تسلسل سے اختیار کی ہوئی ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور کسی حد تک عوام کے دباؤ کا نتیجہ ہے کہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کسی پاکستانی کو بھارت کے حوالے نہیں کیا جائے گا ورنہ شاید عوامی ردعمل کو روکنا بہت دشوار ہو جاتا۔

جنرل مشرف کو اگر قدرت نے یہ موقع فراہم کر دیا تھا کہ دنیا بھر میں ان کا خطاب سنا گیا تو انہیں وہ کمی ضرور پوری کرنی چاہئے تھی جو وسائل کی کمی سے اور اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے ہم میڈیا وار میں کمزور ہی نہیں بلکہ صحیح تر الفاظ میں ہم اس میدان میں بھارت کے مقابلے میں اترے ہی نہیں۔ بھارت نے ۱۳ دسمبر کو دہلی میں پارلیمنٹ کے سامنے اپنے سٹیج کردہ ڈرامے کو جس طرح اچھالا ہے' اس سے جھوٹ سچ اور سچ جھوٹ محسوس ہونے لگا تھا۔ جنرل مشرف اپنوں کی برائیوں اور ان پر الزام تراشی سے فراغت پاتے تو یہ مطالبہ کرتے کہ بھارت اپنے جنگی جنون پر قابو پائے اور آر ایس آر اور اس کی ذیلی دہشت گرد تنظیم پر پابندی عائد کرے۔ وہ کشمیریوں پر ہونے والی دہشت گردی کی تفصیل دنیا کو بتاتے کہ کتنے ہزار کشمیری نوجوان اس دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں اور کتنی باحیا عورتوں کی بھارتی فوجیوں نے عصمت لوٹی۔ ان کے گھروں کو جلا کر خاکستر کیا اور بھارتی حکومت کشمیری عوام سے انصاف کرنے کی بجائے پوٹو جیسا لعنتی قانون نافذ کر رہی ہے۔

جنرل مشرف کو امریکہ کی بجائے اقوام متحدہ کو اور سلامتی کونسل کے سیکرٹری جنرل کو ایڈریس کرنا چاہئے تھا کہ تمہارے مختلف ممالک کے لئے مختلف قانون اور ضابطے کیوں ہیں! تم کشمیر اور مشرقی تیمور کے لوگوں میں فرق کیوں کرتے ہو؟ صرف اس لئے کہ کشمیری مسلمان ہیں اور مشرقی تیمور والے عیسائی۔ وہ اقوام متحدہ سے پوچھتے' بتاؤ دہشت گرد وہ ہیں جو مطالبہ کرتے ہیں کہ سلامتی کونسل کی قرارداد پر عمل درآمد کرایا جائے یا وہ ہیں جو ایسا مطالبہ کرنے والوں کو خون میں نہلا رہے ہیں۔

جنرل مشرف نے پاکستان کی مذہبی جماعتوں سے پوچھا ہے کہ کیا تم ساری دنیا میں اسلام کے ٹھیکیدار ہو! ٹھیکے داری کا لفظ تو درست نہیں ہے البتہ جنرل مشرف کو جاننا چاہئے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اسلام کا پیغام پہنچانا اور موجودہ حالات کے مطابق اسلام کے نظام کا نفاذ کرنے کے لئے جدوجہد کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور یہ سب سے بڑھ کر آپ کی ذمہ داری ہے۔ اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی کرنے کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال محض فرار ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ مذہبی جماعتیں اپنی تمام تر کوتاہیوں کے باوجود کسی نہ کسی درجہ میں اپنا یہ فرض ادا کر رہی ہیں۔ آپ اپنی فکر کریں کیونکہ موت کا ذائقہ سب کو چکھنا ہے۔ اگر آپ اپنا فریضہ ادا کرنے سے غافل ہو چکے ہیں تو دوسروں کے راستے میں روڑے کیوں اٹکاتے ہیں؟

آخر میں ایک یقینی جنگ کے ٹل جانے کی وجوہات راقم ضروری سمجھتا ہے:

۱) امریکہ کا افغان صورت حال سے مکمل طور پر فارغ اور مطمئن نہ ہونا

۲) امریکہ کا بھارت کو یہ یقین دہانی نہ کرا سکنا یا نہ کرانا کہ پاکستان کا اگر دفاع ٹوٹ گیا تب بھی وہ ایٹمی حملہ نہیں کرے گا۔

۳) چین کی ہنگامی اسلحی امداد اور سارک کانفرنس میں جنرل مشرف کو اپنے طیارے میں بھیج کر امریکہ اور بھارت کو واضح سگنل دیا گیا۔

۴) جنرل مشرف کا بھارت کا یہ مطالبہ تسلیم کر لینا کہ لشکر طیبہ اور جیش محمدؐ کو کالعدم قرار دیا جائے۔

۵) راجستھان میں اسلحہ اور بارود کا ایک بڑا ڈپو اڑ جانا جس میں کچھ بیرونی ہاتھ دکھائی دیتا ہے۔

۶) کشمیر کے محاذ پر برف باری اور موسم کا ناموافق ہونا

۷) جنرل مشرف کا اپنے خطاب میں تحریک آزادی اور دہشت گردی میں فرق کا ذکر نہ کرنا

راقم نے اپنے گزشتہ کالم میں جنگ کو یقینی قرار دیا تھا جو مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر ٹلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن ایک بات یاد رہے کہ اس سارے قصہ میں بھارت کا مقصد تو کسی حد تک پورا ہوا ہے اور انہوں نے جنرل مشرف کی اس رٹ کو کہ کشمیر کور ایشو ہے' اس آواز کو وہ دبانے میں یقیناً کامیاب ہوئے ہیں اور اگر پاکستان کشمیر تحریک کو سپورٹ نہ کرے تو بھارت کسی بڑی کارروائی سے یقیناً گریز کرے گا لیکن یاد رہے کہ اسرائیل کا مسئلہ حل نہیں ہوا اور اسرائیل بھارت کو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اکساتا رہے گا۔ اور بھارت کسی وقت اس اکساہٹ میں آ سکتا ہے۔ لہٰذا جب تک فوجیں واپس نہیں جاتیں' خطرہ مکمل طور پر ٹلا نہیں۔ اسرائیل اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک پاکستان کی ایٹمی صلاحیت رول بیک بلکہ مکمل طور پر ختم اور نیست و نابود نہیں ہوتی۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ بھارت کی افواج کی واپسی سے پہلے کشمیر یا بھارت میں کسی دہشت گردی کا واقعہ ہو اور جنگ چھڑ جائے۔

زندگانی ہے صدف' قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے
ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے!

حملہ کرنا ہی بہترین دفاع ہے!

۱۵ نومبر ۲۰۰۱ء کو البلاغ فاؤنڈیشن کے رکن جناب لطف الرحمٰن نے قرآن کالج لاہور کے طلباء کو یہ لیکچر دیا جس میں موجودہ حالات میں غور وفکر کرنے والے اصحاب کی رہنمائی کے لئے کافی مواد موجود ہے

ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ ہیں جو مجبوراً پاکستانی ہیں کیونکہ وہ پاکستان میں پیدا ہو گئے ہیں' جس پر ان کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ اس لئے پاکستانی ہیں' ورنہ ذہناً وہ امریکی ہیں۔ ان کا قبلہ وکعبہ وہائٹ ہاؤس ہے۔ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی ان کا ذہن وہائٹ ہاؤس کا طواف کرتا رہتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے ایک دوست ہیں۔ پرسوں میرے پاس آئے تو چہرہ کھلا ہوا تھا' خوشی پھوٹی پڑتی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ کابل فتح ہو گیا ہے۔ پھر مجھ سے پوچھنے لگے کہ اب آپ اس واقعہ کو کس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں ایک لمبا آدمی ہوں۔ لمبے آدمی کو کسی چیز کو دیکھنے میں ایک قباحت ہوتی ہے اور ایک سہولت ہوتی ہے۔ میں اپنی قباحت اور سہولت' دونوں کے ساتھ اس واقعے کو دیکھ رہا ہوں۔ قباحت کا مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ میں بازار سے گزر رہا تھا۔ ایک بندہ فٹ پاتھ پر چادر بچھا کر کچھ پھل بیچ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی یہ لیموں کس دام ہیں۔ کہنے لگا' جناب بیٹھ کر دیکھیں یہ لیموں نہیں چکوترے ہیں۔ تو فال آف کابل کہہ لیں یا فال آف افغانستان کہہ لیں' میری نظر میں یہ لیموں ہے۔ صدر بش کی نظر میں اگر چکوترہ ہے تو یہ اس کا اپنا نقطۂ نظر ہے۔

اس کی وجہ بڑی سیدھی سی ہے۔ یہ جھگڑا نہ اسامہ بن لادن کا ہے' نہ ملا عمر کا ہے اور نہ ہی افغانستان کا ہے۔ یہ دراصل عالمی سطح پر احیائے اسلام کا جھگڑا ہے اور اس کینوس پر چاہے وہ عراق کی ایٹمی تنصیبات کی تباہی ہو یا ''فال آف افغانستان'' ہو' امت مسلمہ کے لئے یہ چھوٹے چھوٹے دھچکے (Setbacks) ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی حیثیت نہیں ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ کے جہاد میں جہاں جنگ بدر ہے' فتح مکہ ہے وہیں جنگ احد بھی ہے' جنگ حنین بھی ہے۔ ہم تو اس کے عادی ہیں۔ اس لئے ہماری نظر میں اس کی حیثیت لیموں سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر کوئی اسے چکوترہ سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے۔ میری بات سن کر ان کے چہرے کی مسکراہٹ تو اڑ گئی۔ بڑے تیکھے انداز میں پوچھا کہ وہ سہولت والا نقطۂ نظر کیا ہے! میں نے کہا لمبے آدمی کو ایک سہولت حاصل ہے کہ وہ دور کی چیزیں دوسروں سے پہلے دیکھ لیتا ہے۔ اور جو کچھ مجھے نظر آ رہا ہے اس کے ایک پہلو کی طرف کاؤس جی نے اشارہ کیا ہے۔ اردو شیر کاؤس جی روزنامہ ''ڈان'' کے معروف کالم نگار ہیں۔ ۱۱ نومبر ۲۰۰۱ء کو ان کا جو کالم آیا ہے اس کی سرخی ہے:

Home - grown Terrorism

اس میں انہوں نے کراچی میں افغانستان کے قونصل خانہ کے ناظم مولوی رحمت اللہ کے ساتھ اپنے مکالمہ کا حوالہ دیا ہے۔ مولوی رحمت اللہ نے کہا کہ ہم لوگ اللہ اور اسلام کے جنگجو ہیں۔ معلوم نہیں کہ مولوی رحمت نے کیا لفظ استعمال کیا تھا لیکن نوٹ کریں کہ کاؤس جی نے اس کا کیا ترجمہ کیا ہے۔ ان کے جواب میں کاؤس جی نے کہا کہ اللہ تو کسی

لطف الرحمٰن خان

سے نہیں کہتا کہ اس کے نام پر قتل کرو یا قتل ہو۔ وہ تو کہتا ہے کہ زندگی اس کا دیا ہوا تحفہ ہے جسے بھرپور طریقے سے گزارو اور اس زمین پر رہتے ہوئے جتنی زیادہ سے زیادہ نیکی کر سکتے ہو' کر لو۔ مولوی رحمت اللہ نے کہا' میں یہ کر سکتا ہوں کہ یہیں رہ کر زندگی گزاروں اور نیکیاں کروں لیکن اس صورت میں جنت میں جانا یقینی نہیں ہے۔ ہاں اگر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے میری جان چلی گئی تو پھر میں سیدھا جنت میں جاؤں گا۔ کاؤس جی نے کہا' ہو سکتا ہے آپ جنت میں پہنچ جائیں لیکن آپ کے بیوی بچوں اور دوسرے لواحقین کا کیا بنے گا؟ مولوی رحمت اللہ نے جواب دیا کہ اگر میں شہید ہو گیا تو میرے گھر والے تین دن میرا سوگ منائیں گے اور اللہ کی رحمت سے مجھے امید ہے کہ اس کے بعد اللہ میری بیوی کو مجھ سے بہتر شوہر اللہ عطا کرے گا جبکہ میرے بچوں کو مجھ سے بہتر مربی عطا کرے گا۔ کاؤس جی نے اس کے آگے لکھا ہے:

This sound madrassah logic is what George Bush is waging war against, with his bombs.

یعنی یہ مدرسے کی منطق ہے جس کے خلاف بش صاحب بم سے لڑ رہے ہیں۔ اس جملے میں بین السطور پیغام یہ ہے کہ کابل فتح کرنا یا افغانستان فتح کرنا کافی ہے۔ جب تک یہ مدرسے موجود ہیں' دہشت گردی ہوتی رہے گی اور لوگ خودکشی کرتے رہیں گے۔ اس لئے ان مدرسوں کا بندوبست کرو۔

میں نے کاؤس جی کو دیکھا نہیں ہے' لیکن ان کا یہ جملہ پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ غالباً ان کا قد مجھ سے چھوٹا ہے' کیونکہ میں مدرسے کے بھی آگے کی بات دیکھ رہا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ آج سے چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیمؑ نے بھی خودکشی کی کوشش کی تھی۔ جب ان کو جلانے کے لئے آگ کا الاؤ تیار ہو گیا اور اس کی تپش اتنی بڑھ گئی کہ اس کے نزدیک کھڑے ہو کر ان کو آگ میں ڈالنا ممکن نہیں رہا تو غلیل جیسا ایک آلہ زمین میں نصب کیا گیا جس میں رکھ کر حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکنے کا پروگرام تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا کہ جاؤ ابراہیمؑ سے پوچھو' اگر اسے کوئی مدد چاہئے تو تم مدد کرو۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس فرشتے کو جواب دیا تھا کہ تم سے میں نے کیا مدد مانگنی ہے۔ میرا رب تو اللہ ہے' وہ دیکھ رہا ہے۔ اگر اس کی رضا ہے کہ میں آگ میں جلوں تو میں تیار ہوں۔ یہ ان کی خودکشی ہی کی کوشش تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کو براہ راست مداخلت کرنا پڑی: ''اے آگ! تو ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا ابراہیمؑ پر'' (سورۃ الانبیاء:۶۹)۔

سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کس مدرسے کی پیداوار تھے؟ وہ تو ایک بت تراش کے گھر پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے جس معاشرے میں آنکھ کھولی اس میں دینی مدرسہ یا دین نام کی کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔ نمرود اپنی سلطنت میں ایسی تمام چیزوں کا خاتمہ کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو چکا تھا۔ وہ معاشرہ نمرود کو اپنا رب تسلیم کر چکا تھا۔ پھر یہ ڈھنگ' یہ انداز ان کو کس نے سکھایا؟ حضرت ابراہیمؑ کا جو مدرسہ تھا اور ان کے جو استاد تھے' اس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہم لوگ وہ آیات پڑھتے رہتے ہیں' عربی نہ جاننے والے ان کو ترجمہ وتفسیر سے بھی پڑھ لیتے ہیں' لیکن میں چاہتا ہوں کہ آج آپ لوگ ان آیات کا مطالعہ اس بات کو ذہن میں رکھ کر کریں کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا مدرسہ کہاں تھا اور ان کے استاد کون تھے۔ یہ سورۃ الانعام کی آیات ۷۵ تا ۷۹ ہیں۔ ان آیات کا ترجمہ کرنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ اس میں زیادہ لفظ ''را'' استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ اگرچہ مادی آنکھ سے دیکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا ایک مفہوم ذہن کی آنکھ سے دیکھنے کا بھی ہے۔ ایسے مقامات پر اس کا صحیح ترجمہ ''غور کرنا' خیال کرنا'' بنتا ہے' یہاں ترجمہ اسی لحاظ سے ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اس طرح ہم سمجھاتے ہیں ابراہیمؑ کو زمین وآسمان کی بادشاہت (یعنی عجائبات)

تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔'' کس طرح سمجھاتے ہیں' اس کے لئے فرمایا: ''جب رات چھا گئی تو انہوں نے ایک تارہ دیکھا (یعنی اس پر غور کیا)۔ انہوں نے کہا' (ہو نہ ہو) یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو انہوں نے کہا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب انہوں نے غور کیا دمکتے ہوئے چاند پر تو کہا' (ہو نہ ہو) یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا' اگر میرے رب نے میری راہنمائی نہیں کی تو یقیناً میں گمراہ لوگوں میں ہو جاؤں گا۔ پھر جب انہوں نے غور کیا دمکتے ہوئے سورج پر تو کہا' (ہو نہ ہو) یہ میرا رب ہے' یہ بڑا ہے۔ جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا کہ اے میری قوم میں اعلان برأت کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو تم شریک کرتے ہو۔'' یہ جملہ بتا رہا ہے کہ ان کے معاشرے میں انہی چیزوں کی پرستش ہوتی تھی اور حضرت ابراہیمؑ نے بھی ان چیزوں پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ رب نہیں ہو سکتے۔ اور پھر ان کا ذہن اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ جس ہستی نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں' اصل رب وہ ہے۔ وہی میرا رب ہے اور وہی ان تمام چیزوں کا رب ہے۔ اور اپنے اس فیصلے کا اعلان ان الفاظ میں کیا کہ ''میں نے یکسو ہو کر (یعنی ہر طرف سے منہ موڑ کر) اپنے چہرے کو متوجہ کر لیا اس کے لئے جس نے اس زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا' اور میں (اس کے ساتھ کسی کو) شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

اس مطالعہ سے معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کا مدرسہ کہاں تھا۔ یہ کائنات ان کا مدرسہ تھی۔ ان کے اساتذہ کون تھے؟ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''نُرِیٓ'' کا لفظ استعمال کیا ہے کہ ''ہم نے سمجھایا'' لیکن وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فاعل حقیقی ہے۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ اگر یہ کائنات مدرسہ ہے تو اس میں اسباب و علل (Cause & Effect) کا جو سسٹم اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے' اس کے تحت اس مدرسے کے اساتذہ کہاں ہیں! اس پر اگر غور کر لیں تو بات سمجھ میں آ جائے گی کہ انسان کی وہ فطرت جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا عرفان اور نیکی و بدی کا شعور ودیعت کر کے انسان کو دنیا کی امتحان گاہ میں بھیجا ہے' وہ انسان کی استاد اول ہے۔ اور پھر غور و فکر کر کے نتیجہ اخذ کر کے جو صلاحیت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے' وہ انسان کی استاد دوم ہے۔ یہ مدرسہ اور یہ استاد صرف حضرت ابراہیمؑ کے لئے نہیں تھے بلکہ ہر انسان کے لئے یہ کائنات مدرسہ ہے جبکہ انسان کی فطرت اور اس کی غور و فکر کی صلاحیت اس کی استاد ہیں۔

ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جب تک یہ کائنات موجود ہے' غور و فکر کرنے والے زندگی کے حقائق پر غور کرتے رہیں گے اور اپنے رب کا عرفان حاصل کرتے رہیں گے۔ اپنے رب کی رضا کے متلاشی اس کے دین کی سربلندی کے لئے اپنا تن من دھن نچھاور کرتے رہیں گے اور اس کرۂ ارض پر طاقت کے نشہ میں کسی بدمست کی دادا گیری جب حد سے گزرے گی تو وقت کے نمرود اور فرعون کو ہوش میں لانے کے لئے دہشت گردی ہوتی رہے گی۔ فرزانوں کے عشق کو ''کالانعام'' قسم کے لوگ پاگل کہتے رہیں گے۔ حق و انصاف کے لئے جان نچھاور کرنے کو خودکشی کہا جائے گا۔ اس دہشت گردی کو ختم کرنے کے لئے جس طرح افغانستان کو فتح کرنا ناکافی ہے' اسی طرح دینی مدارس کا گلا گھونٹنا بھی ناکافی ثابت ہوگا۔ یہ درست ہے کہ طالبان میں ایسے افراد کی اکثریت ہے جو دینی مدارس کی پیداوار ہیں' لیکن مسلمانوں میں جدید تعلیم یافتہ افراد کی اکثریت ہے جو مدرسۂ ابراہیمی کی پیداوار ہیں۔ اس لئے دینی مدارس کا خاتمہ بھی کافی نہیں ہے۔

کاؤس جی کے مکتبۂ فکر کی نظر یہاں تک نہیں پہنچی ہے۔ ان کی نظر اب مدرسوں پر ہے لیکن اتنی سی بات وہ بھی سمجھتے ہیں کہ مدرسوں کی چار دیواری' کلاس کے کمرے اور بلڈنگ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اصل چیز نظام تعلیم ہے یعنی نصاب' ٹیکسٹ بکس' اساتذہ وغیرہ۔ حملہ یہاں ہوگا اور اس کی ابتداء ۱۱ ستمبر سے پہلے ہی ہو چکی ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں جو نصاب ہے جسے ہم درس نظامی کہتے ہیں' وہ ایک ہزار سال پرانا ہے اور دور حاضر کے تقاضوں سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔ اس حقیقت سے کوئی بھی آدمی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ ہمارے علماء کرام بھی اب اس حقیقت کو تسلیم کر رہے ہیں کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اس نصاب میں تبدیلی ہونی چاہئے۔ سب سے بڑا خطرہ یہاں ہے کہ اس تبدیلی کی آڑ میں ایسا نظام تعلیم مدرسوں میں نہ داخل کر دیا جائے جس کے نتیجے میں وہ لوگ پیدا ہوتے ہیں جن کا قبلہ و کعبہ وہائٹ ہاؤس ہوتا ہے۔

اس صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں دو چیزیں چاہئے ہوں گی۔ ایک نصابی کتب لکھنے والے اور دوسرے اساتذہ..... کیونکہ جس کے ذہن نے وہائٹ ہاؤس کو اپنا قبلہ و کعبہ بنایا ہوا ہے وہ چاہے اسلامیات میں پی ایچ ڈی کر لے' اسلامیات کی نصابی کتاب لکھتے وقت وہ اس دودھ میں مینگنی ضرور ڈالے گا۔ اگر وہ قرآن و حدیث بھی پڑھائے گا تو طلباء کے ذہن کو پراگندہ ضرور کرے گا۔ اس لئے ہمیں اسلامی ذہن کے باصلاحیت افراد درکار ہوں گے۔ اس کے لئے قرآن مجید ایک اہم ذریعہ (Source) نظر آتا ہے۔ یہ آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنی جدید اور دینی دونوں قسم کی تعلیم میں مہارت حاصل کریں' پھر ''پاگل پن'' کا مظاہرہ کریں اور مادی چمک دمک والے پیشوں کو چھوڑ کر قلب و ذہن کو صیقل کرنے والا پیشہ اختیار کریں یعنی معلم بنیں۔ آگے بڑھ کر امریکی ذہن پیدا کرنے والے سکولوں اور کالجوں پر قبضہ کریں۔ حملہ کرنا ہی بہترین دفاع ہے!

نکل جاتی ہے سچی بات.....

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

طوطا چشم امریکہ

اینڈریو ارٹس کا خیال ہے کہ جنرل مشرف نے مغرب پر بھروسہ کر کے اپنی پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ مغرب کے ساتھ اچھائی کی سزا اس دنیا میں نہ ملے' یہ ممکن نہیں۔ عربوں کے ہاں کہاوت ہے: مغرب کی مخالفت کرو تو وہ تمہیں خرید لیں گے' ان کا ساتھ دو تو وہ تمہیں بیچ دیں گے۔

شاہ ایران' رضا شاہ پہلوی ساری عمر مغرب کی دوستی کا دم بھرتے رہے لیکن جنوری ۱۹۷۹ء میں جب انہیں پناہ کی تلاش میں ملک سے بھاگنا پڑا تو امریکہ نے انہیں اپنے ہاں علاج کی غرض سے داخلہ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ چنانچہ اگلے ہی برس وہ قاہرہ میں ۶۰ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

وسطی امریکہ میں امریکی ایجنٹ اناسٹاسیو سوموزا (Anastasio Somoza) کو ۱۹۷۹ء میں نکاراگوا سے جہاں وہ اور ان کے والد کئی دہائیوں تک کمیونزم کے خلاف امریکہ کی جنگ لڑتے رہے تھے ذلیل ہو کر نکلنا پڑا تو انہوں نے اگلے سال پیراگوئے میں جان سے تو ہاتھ دھو لئے مگر انہیں امریکہ میں رہنے کی اجازت نہ ملی۔ البتہ فلپائن میں ۲۰ برس تک کمیونزم کا راستہ روکے رکھنے والے فرڈیننڈ مارکوس اس لحاظ سے خوش نصیب ثابت ہوئے کہ ۱۹۸۶ء میں جب امریکہ کو ان کی مزید ضرورت نہ رہی تو انہیں زندگی کے بقیہ ایام ہونولولو میں بسر کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی گئی جہاں تین سال بعد وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

انگولا میں یونیٹا (Unita) کے باغی لیڈر' جونس سومبی (Jonas Savimbi) کو لگ بھگ چوتھائی صدی اس خطے میں امریکی مفادات کی لڑائی لڑنے کے بعد ۱۹۹۲ء میں امریکہ نے مارکسسٹ MPLA حکومت کے ساتھ صلح کر لینے کا کہہ کر اس کی مالی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا تو اسے تنہا یہ لڑائی جاری رکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جنرل مینویل نوریگا ۱۹۹۲ء سے جس جرم کی پاداش میں ۴۰ سال قید کی سزا بھگت رہے ہیں' اس کا سی آئی اے کو بخوبی علم تھا لیکن اس کے باوجود امریکہ نے اسے کمیونسٹ مخالف آلہ کے طور پر استعمال کیا (گویا اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کسی جرائم پیشہ شخص کو ساتھ ملانا کوئی برائی نہیں) جنرل اگاستو پنوچے کو' جنہوں نے ۱۹۷۳ء میں کمیونزم اور خانہ جنگی کے خلاف چلی کا دفاع کیا تھا' برطانیہ میں پورا ایک سال نظر بند رکھنے کے بعد وہاں سے نکال دیا گیا۔

چنانچہ جنرل پرویز مشرف کو مغرب سے ہرگز کسی خیر کی توقع نہیں ہونی چاہئے۔ (بشکریہ: The Spectator)

اگر طالبان حق پر تھے

تو اللہ کی مدد کیوں نہ آئی؟

نوید احمد

طالبان کی پسپائی کے بعد اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اگر طالبان واقعی حق پر تھے تو ان کے لئے اللہ کی مدد کیوں نہ آئی! پہلے ہمیں اس بات کا غیر جانبداری سے جائزہ لینا ہوگا کہ کیا واقعی طالبان حق پر تھے یا انہوں نے محض دین کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور حقیقت میں وہ بھی دنیادار تھے! حسب ذیل حقائق اس پر گواہ ہیں کہ ''طالبان واقعی حق پر تھے'':

۱) طالبان کو افغانستان کے جتنے حصے پر بھی کنٹرول حاصل ہوا' انہوں نے وہاں ممکنہ حد تک شریعت اسلامی کو نافذ کیا۔

۲) یہ شریعت اسلامی کے نفاذ کی برکات تھیں کہ طالبان کے زیر قبضہ علاقوں میں ایسا مثالی امن و امان قائم ہوا جس کی تعریف علامہ اقبال کے فرزند جسٹس (ریٹائرڈ) جاوید اقبال جیسے سیکولر سوچ رکھنے والے دانشور نے بھی کی۔

۳) طالبان کی قیادت کو قریب سے دیکھنے والوں نے ان میں وہی عاجزی' فقر اور درویشی محسوس کی جس کی اعلیٰ ترین جھلک دور خلافت راشدہ کے عمائدین میں نظر آتی تھی۔

۴) اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے مجاہدین کے حوالے سے طالبان نے بار بار کہا کہ یہ مجاہدین یہاں صرف جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے لئے موجود ہیں اور اسی مقصد کے لئے اپنے ملکوں کی اعلیٰ سہولیات چھوڑ کر افغانستان میں ایک پُرصعوبت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ لوگ افغانستان کی سرزمین کو دنیا کے کسی بھی خطے میں تخریبی کارروائی کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔

۵) طالبان نے امریکہ کو یقین دہانی کرائی کہ اگر اسامہ بن لادن یا القاعدہ کے مجاہدین کے خلاف ثبوت فراہم کر دیئے جائیں تو ان کے خلاف مقدمات چلائے جائیں گے۔

۶) طالبان نے واضح کیا کہ اگر امریکہ ثبوت فراہم نہیں کرتا تو یہ بات غیرت' حمیت اور اخلاقیات کے تمام اصولوں کے خلاف ہے کہ اپنے ان محسنوں کو امریکہ کے حوالے کر دیا جائے جنہوں نے روس کے خلاف اور امارت اسلامیہ کی حفاظت کے لئے مال و جان سے جہاد کیا۔

۷) ایسے میں جبکہ مغربی اقوام افغان عوام پر آگ برسا رہی تھیں' طالبان نے اقوام متحدہ کے امدادی کارکنوں کے ساتھ حسن سلوک کیا اور ان کو رہا کر کے اعلیٰ اسلامی روایات کا مظاہرہ کیا جس کی تعریف دشمنوں کو بھی کرنا پڑی۔

اب دوسری طرف امریکہ کے ظالمانہ' غیر منصفانہ' جابرانہ اور متکبرانہ رویہ کے حسب ذیل مظاہر ملاحظہ فرمائیں:

۱) امریکہ کی طرف سے ۱۱ ستمبر کے واقعات کی کوئی معروضی تحقیق و تفتیش منظر عام پر نہیں لائی گئی۔ امریکہ کی حفاظت پر مامور کسی ایجنسی یا ادارے کے سربراہ سے اتنی بڑی کوتاہی پر کوئی وضاحت طلب نہیں کی گئی نہ ہی ایسے کسی منصب دار نے استعفیٰ دیا۔ اول روز ہی سے بغیر کسی ثبوت کے ۱۱ ستمبر کے حوادث کا ذمہ دار اسامہ بن لادن اور القاعدہ تنظیم کو قرار دے دیا گیا۔

۲) امریکہ نے بعد ازاں جو ثبوت فراہم کئے' ان پر مغربی پریس نے تبصرہ کیا کہ یہ ثبوت اس قابل بھی نہیں کہ ان کی بنیاد پر کوئی مقدمہ کسی عدالت میں سماعت کے لئے دائر کیا جا سکے۔

۳) پھر امریکہ نے یہ ناکافی ثبوت طالبان کو فراہم نہیں کئے جن کی تحویل میں اس کے موقف کے مطابق ملزمان موجود تھے۔

۴) طالبان کی شوریٰ نے جب اسامہ بن لادن کو افغانستان سے رضا کارانہ طور پر چلے جانے کا مشورہ دیا تو امریکہ نے فوراً ہی اس فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے مطالبات کی فہرست بڑھا دی تاکہ طالبان ان مطالبات کو پورا نہ کر سکیں اور اسے طالبان کے خلاف کارروائی کا جواز مل جائے۔

۵) امریکہ نے یک طرفہ طور پر خود ہی منصف بن کر طالبان کو مورد الزام ٹھہرایا اور افغانستان پر وحشیانہ بمباری کرتے ہوئے ہزاروں بے قصور شہریوں کو شہید کیا۔ ایک ماہ سے زائد عرصہ تک درندگی کا مظاہرہ کرنے کے باوجود امریکہ طالبان کے خلاف کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ امریکہ کی سفاکی پر دنیا بھر میں اس کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ امریکہ نے اپنی جھوٹی انا کی تسکین کے لئے پہلے کلسٹر بموں سے Carpet bombing کی اور بالآخر ۱۵ ہزار پونڈ وزنی ڈیزی کٹر بم کا استعمال شروع کر دیا جو زمین سے تین فٹ کی بلندی پر دس ہزار فارن ہائیٹ کے درجہ حرارت پر کیمیاوی مواد کو ایک ایسے آتشی بادل کی شکل میں جنم دیتا ہے جو ایک میل تک کے دائرے میں ہر شے کو بھسم کر دیتا ہے۔ اگر طالبان پسپائی اختیار نہ کرتے تو شائد امریکہ ایٹمی حملہ کرنے سے بھی باز نہ آتا کیونکہ اسی کا جواز پیدا کرنے کے لئے اینتھراکس کے وائرس کا شوشہ چھوڑا گیا تھا۔

طالبان نے امریکی حملے کا جس پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا' وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ بقول شاعر ؎

فتح شکست ولے نصیبوں سے ہے امیرؔ
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

طالبان کی پامردی کے قابل ذکر پہلو یہ رہے:

۱) امریکہ طالبان کے کسی بھی نمایاں رہنما کو ہلاک یا گرفتار نہ کر سکا۔

۲) طالبان کے کسی بھی اہم رہنما نے ملاعمر سے تعلق منقطع نہ کیا۔

۳) ایک ماہ تک امریکہ طالبان سے ایک انچ جگہ بھی حاصل نہ کر سکا۔

۴) شدید طاقت کے استعمال کے باوجود طالبان نے ظالم امریکہ کے سامنے سر جھکانے سے صاف انکار کر دیا بلکہ سر کٹا کر ظالم کا چہرہ بے نقاب کر دیا۔ ؎

سودا قمار عشق میں خسرو سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
تجھ سے تو روسیاہ' یہ بھی نہ ہو سکا

۵) طالبان نے افغان عوام کو ایٹمی تباہی سے بچانے کے لئے پسپائی اختیار کر کے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ ہار کر بھی جیت گئے۔ ؎

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا' ہارے بھی تو بازی مات نہیں

طالبان اگر حق پر تھے تو اللہ کی مدد کیوں نہیں آئی' اس حوالے سے ذرا تاریخ کے مندرجہ ذیل واقعات پر غور فرمایئے:

۱) ابولہب نبی اکرم ﷺ کو اذیتیں دینے میں تمام کفار سے آگے تھا۔ سورۂ لہب میں جو مکی دور کے اوائل میں نازل ہوئی' اس کی بربادی کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ لیکن اس ملعون کو طویل عرصہ تک شرارتیں کرنے کی مہلت ملی رہی اور وہ جنگ بدر کے بعد جہنم واصل ہوا۔

۲) صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ۵ نبوی میں عقبہ بن ابی معیط نے ابوجہل کی خواہش پر عمل کرتے ہوئے عین سجدے کی حالت میں نبی اکرم ﷺ پر اونٹ کی اوجڑی ڈال دی۔ حضرت فاطمہؓ نے آ کر نبی اکرم ﷺ کو اس اذیت سے نجات دلائی۔ نبی اکرم ﷺ نے سجدے سے اٹھ کر عقبہ بن ابی معیط' ابوجہل اور دیگر کئی سرداران قریش کے خلاف بددعا کی۔ لیکن فوری طور پر اللہ کی مدد نہ آئی اور ان ظالموں نے ظلم و ستم کا بازار گرم کئے رکھا۔ ۲ھ میں یعنی تقریباً ۱۰ سال بعد بدر کے میدان میں یہ ظالمین بدترین عذاب کا شکار ہوئے۔ (الرحیق المختوم' صفحہ ۱۲۵)

۳) صحیح بخاری ہی کی روایت ہے کہ بنی غطفان کے قبائل نے ۴ھ میں اصحاب صفہ میں سے ۷۰ صحابہ کو دھوکہ سے لے جا کر شہید کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان ظالموں کے خلاف کئی روز تک بددعا کی لیکن ان کو سزا تین سال بعد یعنی ۷ھ میں ملی۔ (الرحیق المختوم' صفحہ ۳۹۸)

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

ہائی ٹیک جنگ اور دلِ خوش فہم

شیخ جابر

یہ ایک بڑا مجمع تھا۔ ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ سب افراد شدید غصے میں تھے۔ بہت تیز تیز بول رہے تھے۔ اپنے مزعومہ دشمن کو نیچا دکھانے کی باتیں کر رہے تھے۔ ایسے میں ان کے راہ نما سٹیج پر نمودار ہوئے۔ راہنماؤں نے راہنمائی کے بجائے اشتعال انگیز تقاریر کیں۔ تقریباً ہر تقریر کا لب لباب احتجاج' اشتعال اور بہت بڑے بڑے دعوے کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ جذباتی تقاریر نے مجمع کے جذبات کو انتہاؤں پر پہنچا دیا تھا۔ گا ہے گا ہے ''امریکہ مردہ باد'' کے زوردار نعرے بلند ہو رہے تھے۔ راہنماؤں سمیت کوئی بھی اس پوزیشن میں نہ تھا کہ امریکہ کا کچھ بگاڑ سکے لیکن بپھرے ہوئے جذبات کی نکاسی بھی ضروری تھی سو قہر درویش بر جان درویش اپنے ہی بھائیوں کی اپنی ہی املاک کو خاک میں ملانا شروع کر دیا گیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان تقریر کرنے والوں میں سے کئی کے بچے امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور کئی کے خاندان امریکہ میں مقیم ہیں۔ مجمع کو اگر امریکہ جانے کا پروانہ یا گرین کارڈ مل جائے تو حقیقت یہ ہے کہ بہت قلیل تعداد ایسی ہو گی جو امریکہ جانے سے انکار کر دے۔ لیکن..... امریکہ کے خلاف سب یکساں مشتعل تھے۔ ایک صاحب کے کاندھے پر ایک معصوم بچہ سر پر کفن باندھے بیٹھا تھا۔ اس بچے کے ہاتھ میں ایک کھلونا پستول تھی' جسے لہرا لہرا کر وہ امریکہ کو للکار رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ ہماری اور ہمارے نام نہاد راہنماؤں کی حالت اس معصوم بچے سے مختلف نہیں جس کے دلِ خوش فہم میں یہ بات سما گئی ہو کہ وہ اپنے کھلونا پستول سے ایک سپر پاور کو شکست دے لے گا۔

خلیج کی جنگ ہو یا افغانستان پر امریکی دہشت گردی' یہ سب یک طرفہ کارروائیاں ثابت ہوئی ہیں۔ کہیں بھی کوئی بھی امریکہ کے سامنے نہیں ٹھہر سکا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ امریکہ پر دہشت گردانہ حملوں سے قبل اور آغاز میں بڑے دعوے کئے جا رہے تھے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے' ہمارے سینوں میں ایمان ہے' افغانستان امریکہ کا قبرستان بنے گا وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ کیا ہوا اور کیوں ہوا؟ بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دنیا الل ٹائپ اور بے قاعدہ نہیں بنائی۔ یہ قاعدے قانون سے بنی ہے۔ کچھ اصول ہیں جن کی اساس پر قائم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان اصولوں کی جانب اپنی آخری کتاب میں واضح اشارے بھی دے دیئے ہیں اور یہ بھی فرما دیا کہ خدا کی سنت میں' خدا کی عادت میں یعنی یہاں موجود و جاری و ساری قوانین میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

اب قانون کیا ہے؟ قانون یہ ہے کہ ''انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرے''۔ قانون کیا ہے؟ قانون یہ ہے کہ آپ ایسا سامان حرب تیار رکھیں کہ مخالف محض اس سامانِ حرب کے خوف سے آپ پر حملے کی ہمت نہ کر سکے۔ ان قوانین پر عمل پیرا ہونے اور محنت کرنے کے بجائے ہم نے زبانی جمع خرچ کو کافی جانا۔ خوش فہمیوں میں مبتلا رہے۔ یہود و نصاریٰ سے ہتھیار خریدتے اور سوچتے کہ انہیں ان ہتھیاروں سے مار لیں گے۔ ہمارے واعظین عمل پر لانے کے بجائے خوش فہمیوں میں مبتلا رکھتے رہے۔ ایسی بے تکی باتیں کی جاتی ہیں کہ الامان۔ ایک مجمع سے مخاطب واعظ فرما رہے تھے کہ امریکہ اور اس کے بموں کی بالکل فکر نہ کریں۔ امریکہ بم برسائے گا ہمارے بزرگ دعا کریں گے تو وہ بم پھٹیں گے ہی نہیں۔ سب ناکارہ ہو جائیں گے۔ مجمع سے کلمۂ تحسین اور سبحان اللہ کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ یہ ہے ہمارا حال۔ ایک اللہ والے کو یہ واقعہ سنایا گیا تو انہوں نے فرمایا ''میاں ہمارے اعمال تو ایسے ہیں کہ اگر وہ کوئی ناکارہ بم ہی پھینک جائیں تو ہماری بداعمالیوں کے باعث پھٹ پڑے''۔ لیکن ان حقائق کی جانب توجہ دینے کے بجائے محض الفاظ کے گولے داغنے کو کافی سمجھا جا رہا ہے۔ آج ہماری حالت اس وقت سے بھی گئی گزری ہے جب بارود ایجاد ہوا تھا اور وہ لمحوں میں جنگ کا پانسا پلٹ دیتا تھا۔ لوگ تلوار ہاتھ میں اور سینوں میں نبرد آزمائی اور شجاعت کے جوہر دکھانے کا شوق لئے مرتے جاتے تھے۔ دو بدو لڑنے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ بارود بھر کے دور ہی سے بندوق چلائی جاتی اور صفوں کی صفیں الٹ جاتیں۔ بارود اور تلوار کا پھر بھی کچھ مقابلہ ہو سکا ہو گا لیکن آج امریکہ فنونِ حرب میں بہت آگے ہے۔

یاد کیجئے فاتح سندھ محمد بن قاسم کو۔ جب وہ دیبل پر حملہ آور ہوئے تھے تو اس وقت کا ہائی ٹیک محمد بن قاسم کے پاس تھا۔ وہ اپنے ہمراہ منجنیق لائے تھے جس نے قلعہ کی دیواروں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ کیا ان زمینی اور تاریخی حقائق سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے اور اگر کی جا سکتی ہے تو پھر اس کا انجام بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہمیں نہ قتال فی سبیل اللہ سے انکار ہے نہ اس کے لئے بنیادی چیز ایمان سے۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قتال صرف خدا کے بتائے ہوئے طریقوں اور اصولوں کی روشنی میں کیا جائے نہ کہ جذبات کے بہاؤ میں۔ خروج اور قتال کے لئے فقہا نے نہایت شرح و بسط سے شرائط اور اصول و ضوابط لکھ دیئے ہیں۔ ان سے صرف نظر نہیں کرنا چاہئے۔ ساری دنیا میں جاری امریکہ کی دہشت گردانہ کارروائیوں کو سامنے رکھیں تو خدائی احکام پر ایمان اور مضبوط ہوتا ہے' طاقت اگر وحی الٰہی کے تابع نہیں تو فساد ہی فساد ہے۔ خواہ وہ امریکہ ہو یا شمالی اتحاد ہو یا کسے باشد۔ آج ہمیں محنت کرنے کی ضرورت ہے' ایک خاموش اور شدید محنت کی۔ ایمان و یقین کی محنت' دعوت کی محنت' اخلاق و کردار اور معاملات کی محنت' حصول علم کے لئے محنت' معاشرتی و معاشی ترقی و استحکام کی محنت۔ اس کے بعد ہی کہیں عسکری و حربی میدان میں وہ مقام حاصل ہو سکے گا جو قرآن کو ہم سے مطلوب ہے۔ ورنہ خلیج اور افغانستان کی کہانیاں دہرائی جاتی رہیں گی۔ برس ہا برس قبل جس طرح منگول لڑا کرتے تھے وہ طریق آج کارآمد نہیں رہا۔ فرق صرف یہ تھا کہ گھڑ سوار منگول حملہ آوروں کے ہاتھ میں تلوار اور تیر کمان ہوا کرتی تھی تو آج کے افغانی کے ہاتھ میں کلاشنکوف ہے جبکہ امریکہ خلائی سیاروں کے ذریعے افغانستان کے چپے چپے پر مسلسل نظر رکھے ہوئے ہے۔ اسامہ بن لادن کے ساتھی محمد عاطف و دیگر اسی طرح ہلاک ہوئے۔ محمد عاطف اور اس کے نصف درجن ساتھیوں کا سیٹلائٹ کے ذریعے کھوج لگا لیا گیا تھا۔ بس پھر کیا تھا' لیزر گائیڈڈ میزائلوں کی بارش کر دی گئی۔ ہزاروں پونڈ وزنی میزائلوں نے انسانوں کے تو کیا' چٹانوں کے پرخچے اڑا دیئے۔ کون سا علاقہ ایسا تھا جو امریکی جاسوس طیاروں اور مصنوعی خلائی سیاروں کی برقی نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔ اور جاسوس طیارے بھی کیسے! وہ جو بغیر پائلٹ کے پرواز کریں اور ہدف کو دکھائی نہ دینے والی لیزر شعاعوں سے نشان زدہ کر دیں۔ لمحوں بعد وہاں لیزر گائیڈڈ اور سیٹلائٹ گائیڈڈ میزائلوں کی بارش ہو جائے۔ نہ فوج اتارنے کی ضرورت نہ توپ خانہ نہ ٹینک۔ امریکہ ٹینکوں کے لحاظ سے بھی دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے لیکن اس نے افغانستان پر دہشت گردی کے لئے ایک ٹینک بھی استعمال نہیں کیا۔ اخیر میں بطور تذکیر ایک حدیث:

> ''کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ پوچھا گیا کہ: کوئی شخص خود اپنے آپ کو کیوں ذلیل کرے گا؟ فرمایا: وہ ایسے فتنے کا سامنا کرے جس سے نپٹنے کی طاقت اس کے اندر نہ ہو۔''
>
> (مشکوٰۃ المصابیح' ج ۲' ص ۴۷۱)

.....ملت کے مقدر کا ستارہ

تحریر: طاہر سلیم

اندھی تہذیب کے سمندروں میں جب طغیانی آئی تو ظلمت کدہ مغرب کے رندوں نے تلاطم خیز موجوں کا رخ کہساروں کی سرزمین کی طرف موڑ دیا۔ جہاں عزم و ہمت کے پیکر الہامی تہذیب کا دیا روشن کئے ہوئے تھے۔ بحر ظلمات کی تند خو آندھیوں کے سنگ جب طاغوت وقت آخری الہامی پیغام کے پیروکاروں کے مٹانے کو حملہ آور ہوا تو ملکوتی صفات کے مالک چند نفوس نے اس کے تمام اندازوں کو غلط ثابت کر دیا یہ چند مجاہد جب اپنی نظر پوری کر کے سرخرو ہو جائیں گے تو طاغوت لہلہاتے کھیتوں اور چمن زار وادیوں کی سرزمین کا رخ کرے گا اور اس رزم میں نہ جھکنے والوں اور نہ بکنے والوں کے نام تاریخ اپنے صفحات پر جلی حروف میں لکھ لے گی اور ظلم کا ساتھ دینے والے یا طاغوت کے آگے جھکنے والے یوں بھلا دیئے جائیں گے کہ ان کی داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں۔

وقت کا دھارا یوں چلا ہے کہ ہم ریزہ ریزہ اجتماعیت اور پارہ پارہ اتحاد کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ مسلمان تابناک ماضی کے حامل ہیں لیکن حال کے تقاضے ان سے پورے نہیں ہو رہے اور آنے والے لمحے کا انہیں ادراک نہیں ہے۔ دشمن کی چیرہ دستیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور حالات کی سنگینیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن امت کے بڑے حصے پر سکوت مرگ طاری ہے۔ تہذیبوں کی کشمکش فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن حامل قرآں ابھی تک خواب غفلت میں پڑے ہیں۔ اجتماعی شعور ابھی بیدار نہیں ہوا۔ نسلی، گروہی اور علاقائی مفادات ملی کردار کو پس پشت ڈال رہے ہیں بند مٹھی کی مانند باہم ایک ہونے کی کیفیت ابھی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ دشمن ہمیں ایک جانتا ہے لیکن ہمارا کوئی مشترکہ لائحہ عمل نہیں ہے۔ ہمارے مشترکہ مفادات کی نشاندہی کے لئے اجتماعی پلیٹ فارم نہیں ہے۔ مشترکہ دشمن کی پہچان اور اجتماعی نقصانات کا ادراک نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ مسلمان، مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم کا شکار ہے۔ ان حالات میں ہر صاحب بصیرت مسلمان مغرب سے اٹھنے والے اس طوفان کو دیکھ کر بے چین و بے قرار ہے۔ لیکن کوئی حل کسی کو نظر نہیں آتا۔ تجاویز تو بہت ہوں گی لیکن آپس کے انتشار اور باہمی ناآسودگی کے سبب کچھ بھی قابل عمل نہیں رہا۔ مسلمان ریاستوں کی سیادت بیشتر مفاد پرست یا لادین عناصر کے تصرف میں ہے۔ یوں منجدھار میں پھنسی اس کشتی کا کوئی ناخدا نہیں ہے اور اس کے سوار نادانستگی یا بدنیتی کے سبب اس میں سوراخ پر سوراخ کئے جا رہے ہیں۔

ایسے میں فرد واحد کیا کردار ادا کر سکتا ہے۔ کیا کسی کے لئے اس بگاڑ کو درست کرنا اور حالات کو صحیح رخ پر ڈالنا ممکن ہے۔ ہر کوئی یہ سوچ رہا ہے کہ دشمن بہت طاقتور ہے اور آپس کے اختلافات بہت شدید ہیں۔ وسائل موجود نہیں اور مسائل کی بھرمار ہے۔ کوئی کیا کر سکتا ہے۔ امکانات معدوم اور مصائب ان گنت ہیں۔ لیکن سوچنے والا اگر سوچے کہ حالات خواہ کیسے ہی ہوں کوشش نہ کرنے کا تو کوئی جواز نہیں ہے۔ فرد کا وجود ہی اس بات کا تقاضا ہے کہ کوشش ہونی چاہئے۔

فرد ملت کی اکائی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اگر اجتماعیت کمزور ہے تو اسے مضبوط بنانے کے لئے فرد کوشش کرے اور اس راہ میں کوئی بھی کوشش حقیر نہیں ہو سکتی کیونکہ ایک ہی پرندہ بہار کا پیغام لا سکتا ہے۔ ایک پھول سے باغ بن سکتا ہے۔ ایک سوچ اجتماعی شعور بن سکتی ہے۔ ایک کوشش کایا پلٹ سکتی ہے۔ جس طرح ایک ستارہ سمندر میں جہاز کو رستہ دکھا سکتا ہے اسی طرح ایک فرد قوم کو راہ دکھا سکتا ہے۔ جب ایک لفظ منزل کا تعین کر سکتا ہے ایک کرن ماحول کو روشن کر سکتی ہے ایک چراغ اندھیرے کو فنا کر سکتا ہے۔ اگر ہزار میل کا سفر ایک قدم سے شروع ہو سکتا ہے تو ایک فرد انقلاب کی بنیاد بن سکتا ہے۔ اگر ایک ہی آواز دانائی کے ساتھ بولے اور ایک ہی دل درست سوچے تو ایک ہی زندگی بہت فرق ڈال سکتی ہے۔ اگر فرد یہ طے کر لے کہ ہر وہ عمل چھوڑ دے گا، جس سے ملت کی اجتماعیت پر حرف آتا ہے یا اس کی سالمیت کو نقصان پہنچتا ہے تو پستیوں سے بلندی کے سفر کا آغاز ہو جائے گا۔

انتقال پُرملال

اسرہ پھالیہ کے ملتزم رفیق جناب قاری عنایت اللہ کی اہلیہ انتقال کر گئی ہیں احباب سے گزارش ہے کہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ اللھم اغفرلھا و ارحمھا و ادخلھا فی رحمتک و حاسبھا حساباً یسیراً

دعوت فکر

آنے والا کل.....

جہانزیب گوندل

ہماری زندگی کا سفر کہاں سے شروع ہوا اور کہاں تک جائے گا، یہ ہم نہیں جانتے، لیکن کیسا گزر رہا ہے اور اس کے اسباب کیا ہیں اس کا اندازہ ہم بخوبی کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں چند قابل توجہ امور حسب ذیل ہیں کہ جن پر غور کر کے ہم اصلاح احوال کے ذریعے اپنا آنے والا کل سنوار سکتے ہیں:

☆ کوئی برا کام جب کسی نیکی کی آڑ میں کیا جائے یا کسی برائی کو اچھا سمجھنا، ہمیشہ تباہی مچاتا ہے۔ تاریخ کھول کر دیکھ لیجئے ہمیں ایسے بہت سے واقعات مل جائیں گے۔ غیر اسلامی تقریبات کو اپنی خوشی کے اظہار کا نام دے کر ہم اپنے دین، اپنے اصل کا انکار کرتے ہیں۔ شادی کی محفلوں میں گیت سنگیت، اذان ہونے پر وقتی طور پر بند کر کے ثواب کے دھوکے میں ہم اپنے دل کو تسلی تو دے لیتے ہیں لیکن نہ جانے کتنے غافل اپنی نماز سے رہ جاتے ہیں، کتنے بدقسمت ہیں جو اپنے رب کے سامنے حاضری سے محروم رہ جاتے ہیں۔

☆ اسی طرح آج ایک مسلمان بھائی اپنے مسلمان بھائی کا دشمن کیوں ہو گیا ہے، کیونکہ ہم نے ایک دوسرے کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ کہنے کو تو ہم مسلمان ہیں لیکن ہم دوسرے کی خوشی کو دیکھ نہیں سکتے اور اس کی تکلیف کی شدت کو محسوس نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ خوشی بانٹنے سے اور بڑھتی ہے اور غم بانٹنے سے کم ہوتے ہیں، یہ تبھی ممکن ہے جب ہم دوسروں کے درد کو محسوس کریں اور خوشیوں کو اپنا سمجھیں، تمہارے اور میرے کے فرق نے انسانیت کو کتنے حصوں میں تقسیم کر دیا ہے کہ فی الحال اس کا جوڑنا محال نظر آتا ہے۔ لیکن ہم ایک ہو سکتے ہیں اور امت مسلمہ پر جو مصیبت اس وقت آن پڑی ہے ٹل سکتی ہے اگر ہم صرف دو باتیں سمجھ لیں، پہلی یہ کہ ہم کون ہیں، ہماری بنیاد، ہمارا آغاز اور ہمارا انجام کیا ہے اور دوسرے یہ کہ ہم کر کیا رہے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ طوفان کے آنے سے پہلے اور بعد میں ہمیشہ خاموشی ہوتی ہے۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ ایک ایک سال ایک لمحے کی طرح گزر رہا ہے، یہودی اور فرنگی تو صرف ہماری کہانی کا ایک کردار ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو کوئی اور فتنہ ہوتا، اصل آزمائش، امتحان تو ہمارا ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہم کتنے پانی میں ہیں، دشمن تو لازماً وار کرے گا۔ ہمیں اپنے آپ کو سنبھالنا ہے۔ آنے والا کل ہمارا ہو سکتا ہے اگر ہم اپنے آج کو سنواریں۔ ہمیں اللہ سے دعا کرنی چاہئے کہ ظاہر اور باطن کی پہچان میں ہماری مدد کرے کہ اسی میں ہماری فلاح ہے۔

حلقہ خواتین سندھ (زیریں) کے زیر اہتمام دورۂ ترجمہ قرآن

تنظیم اسلامی حلقہ خواتین سندھ (زیریں) کے زیر اہتمام قرآن مرکز میں دورۂ ترجمہ قرآن منعقد ہوا۔ اس کا وقت دن گیارہ بجے سے ۲ بجے تک رکھا گیا تھا۔ تدریس کے فرائض محترمہ ثمرین بنت ریاض نے انجام دیئے۔ اس پروگرام کی خاص بات یہ تھی کہ ہر خاتون کے ہاتھ میں پنسل' پین' کاپی اور قرآن مجید ہوتا تھا۔ سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ جہاں جہاں قرآن نے اوامر کا ذکر کیا ہے' اسے سب نمایاں کر لیتے اور نمبر دے دیتے۔ بالکل اسی طرح نواہی کے سلسلے میں کیا جاتا۔ دوسرے سب نے یہ کام کیا کہ اللہ کے جتنے بھی اسماء حسنیٰ کا ذکر قرآن میں موجود ہے' انہیں نوٹ کیا گیا۔ اسی طرح ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کتنی دفعہ آیا ہے! وغیرہ وغیرہ۔ یوں یہ پروگرام ایک کلاس روم کا منظر پیش کرتا تھا۔ یہ تمام کام رفیقات نے انجام دیئے جس سے دوسری خواتین کو ترغیب رہتی اور وہ بھی پوری دلچسپی سے پروگرام سنتی تھیں۔ ہمارے پروگرام کی کامیابی کی یہی وجہ بنی اور اس دفعہ تقریباً بیس خواتین بیعت کر کے ہمارے کارواں میں شامل ہوئیں۔ لانڈھی کی رفیقات کے لئے گاڑی کا انتظام تنظیم کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اوسطاً روزانہ ستر خواتین اس پروگرام میں شریک ہوتی رہیں۔ اس پروگرام کا اختتام ستائیسویں روزے کو ہوا۔ دعا اتنی پراثر کروائی گئی کہ پورا ہال سسکیوں سے گونج رہا تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری ان ٹوٹی پھوٹی کوششوں کو قبول و منظور فرمائے اور ہمیں مزید استقامت دے!

ماہ رمضان میں اسرہ ساہیوال کی دعوتی سرگرمیاں

رمضان المبارک کے دوران اسرہ ساہیوال کے نقیب جناب عبداللہ سلیم نے قرآن کی دعوت کو عام کرنے کے لئے مختلف مقامات پر دروس قرآن کی محافل منعقد کیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

ساہیوال کی نواحی بستی کوٹ خادم علی شاہ میں ''آؤ قرآن سیکھیں'' پروگرام کے تحت ہفتہ میں تین دن نماز عصر کے بعد درس دیا گیا۔ چالیس منٹ دورانئے کا یہ درس منتخب نصاب سے ترتیب دیا جاتا تھا۔ اس میں ہر درس کی اوسط حاضری ۵۰ تھی جبکہ اختتامی درس پر یہ تعداد ۲۰۰ تک جا پہنچی۔

ہفتہ وار درس قرآن کے مستقل سلسلے کا پہلا پروگرام ''استقبال رمضان المبارک'' کے موضوع پر نقیب اسرہ کی رہائش گاہ پر ہوا' جس میں حضرات اور خواتین کی کل تعداد ۱۰۰ کے قریب تھی۔ دوسرا درس جناب میاں یونس کے گھر پر ہوا جس میں سورۃ الحجرات کے درمیانی حصے کو موضوع بنایا گیا۔ اس میں ۱۰۰ حضرات کے علاوہ متعدد خواتین نے بھی شرکت کی۔ اس سلسلے کا تیسرا درس مسجد عزیز میں دیا گیا' جس میں سورۃ القدر کے حوالے سے قرآن اور رمضان المبارک کے تعلق پر گفتگو کی گئی۔ چوتھا درس جناب میاں عبدالمالک کی رہائش گاہ پر ہوا جس میں تقریباً ۱۵۰ افراد نے شرکت کی۔

مزید برآں' گورنمنٹ کالج ساہیوال کے ہاسٹل کی جامع مسجد میں ۲۰ رمضان المبارک تک روزانہ ترجمہ قرآن کی کلاس منعقد کی گئی۔ اس کی کامیاب تکمیل پر طلباء میں انعامات بھی تقسیم کئے گئے۔ اختتامی درس ''عظمت قرآن اور رمضان'' کے موضوع پر دیا گیا' جس میں ۵۰ سے زائد طلباء شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ عارف والا کے ایک پرائیویٹ انگلش میڈیم سکول میں بھی درس قرآن کی محفل کا انعقاد کیا گیا' جسے ۷۰ افراد نے نہایت توجہ اور انہماک سے سنا۔

مذکورہ بالا تمام دروس کا کم سے کم دورانیہ نصف گھنٹہ تھا۔

تنظیم اسلامی گوجر خان کی شب بسری

۲۹ اور ۳۰ دسمبر کی درمیانی رات تنظیم اسلامی گوجر خان کے دفتر میں شب بسری کا پروگرام ہوا۔ پروگرام کا آغاز مغرب کے فوراً بعد ساڑھے پانچ بجے ہوا۔ تلاوت قرآن پاک کا شرف جناب حافظ ندیم مجید نے حاصل کیا۔ تلاوت کے بعد جناب ذوالفقار احمد نے نظم سنائی۔ اس کے بعد پروگرام کے انچارج جناب فاروق حسین نے شب بسری کی غرض و غایت اور اہمیت بیان کی۔ پھر امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی تقریر ''منشور تنظیم اسلامی'' بذریعہ ویڈیو کیسٹ سنی گئی۔ اس نشست کا اختتام سیرت صحابہؓ پر جناب حافظ ندیم مجید کی گفتگو پر ہوا۔

نماز عشاء کے بعد امیر محترم کی تقریر ''اسلام کا معاشرتی نظام'' بذریعہ ویڈیو کیسٹ سنی گئی۔ اس کے بعد جناب اللہ دتہ نے آداب طعام بیان کئے۔ کھانے کے بعد ''دعوت الی اللہ'' کے موضوع پر مذاکرہ ہوا۔ اس میں رفقاء کو پانچ پانچ کے گروپ میں تقسیم کیا گیا اور ہر گروپ کو موضوع کے متعلق ایک پمفلٹ دیا گیا' جسے رفقاء نے پڑھ کر ایک دوسرے کو سنایا۔ تنظیم اسلامی گوجر خان کے امیر جناب مشتاق حسین نے اسی موضوع کے متعلق چیدہ چیدہ نکات بیان کئے۔ سوال و جواب کی نشست کے بعد جناب فاروق حسین نے سورۃ البقرہ کی آیات ۱۵۳ تا ۱۵۷ کا درس دیا۔ جناب ساجد حسین نے بیعت کی اہمیت کو بیان کیا۔ سونے سے قبل جناب مختار احمد نے سونے اور بیدار ہونے کے آداب بیان کئے۔

نماز تہجد کے بعد اجتماعی تلاوت کی گئی۔ فجر کے بعد جناب محمد رفیق نے دینی فرائض کے جامع تصور کی پہلی منزل بیان کی جبکہ جناب حامد شاہ نے دوسری منزل پر خطاب کیا۔ ناشتہ کے بعد تمام رفقاء رخصت ہو گئے۔ اس پروگرام میں ۲۳ رفقاء نے شرکت کی۔

(رپورٹ: مرتضیٰ شاہ)

بقیہ : منبر و محراب

فوجی دستوں کے اوپر' فوجی ٹرکوں کے اوپر' پولیس چوکیوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں یہ تحریک تحلیل ہو کر رہ گئی۔ بہرحال اسلامی نظام کے قیام کے لئے تشدد کا راستہ اختیار کرنا ہی دراصل وہ عظیم غلطی ہے جس کے باعث مغرب کو اسلام کے خلاف یلغار کا موقع ملا اور اب وہ دہشت گردی کو ختم کرنے کے بہانے فعال جہادی گروپوں کے ساتھ ساتھ ان اسلامی تحریکوں کو بھی ختم کرنے کے درپے ہے جو اسلام کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے غالب و قائم کرنے کی جدوجہد میں سرگرم عمل ہیں۔

موجودہ حالات میں اب ہمیں اقامت دین کی جدوجہد کے ضمن میں کیا کرنا چاہئے۔ اس موضوع پر ان شاء اللہ آئندہ جمعے گفتگو ہوگی۔ ○○

بقیہ : حقیقت احوال

۴) اسی طرح کئی انبیاء پر ظالمین طویل عرصہ تک ظلم کے پہاڑ توڑتے رہے لیکن اللہ کی مدد فوری طور پر نہیں آئی' یہاں تک کہ رسولوں کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔ پھر کہیں جا کر اللہ کی مدد آئی اور ظالم اپنے انجام کو پہنچے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمایئے:

''کیا تم نے یہ سمجھا کہ تم داخل ہو جاؤ گے جنت میں جبکہ ابھی تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں آن پکڑا سختیوں نے اور تکالیف نے اور وہ ہلا ڈالے گئے' یہاں تک کہ پکار اٹھے رسول اور ان کے ساتھ اہل ایمان کہ کب آئے گی اللہ کی مدد! (کہا گیا) جان لو! اللہ کی مدد قریب ہے۔'' (البقرہ:۲۱۴)

''یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے (لوگوں سے) اور خیال کیا انہوں (یعنی لوگوں) نے کہ انہیں جھوٹی وعید سنائی گئی تھی (عذاب کی) آ گئی ان (رسولوں) تک ہماری مدد' پھر ہم نے بچا لیا جس کو چاہا اور ہماری آفت ٹالی نہ جا سکی مجرموں سے۔''

(یوسف:۱۱۰)

لہٰذا اگر طالبان حق پر تھے تو ضرور بالضرور اللہ کی مدد آئے گی اور مجرمین پر قہر الٰہی نازل ہو گا لیکن اس کے لئے کسی مدت کا تعین نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس آزمائش میں اللہ کی کوئی مصلحت پوشیدہ ہے جس کی گہرائی اور دور رس ہونے کے پہلو کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔

has to reign supreme? Even if we accept as harmless all the laws and regulations imposed by the General the other day, still it's not the end of it all. The fear of an Indian attack would remain there to force Musharraf into going even further for pleasing Washington. Many Western analysts have called Musharraf initiatives revolutionary by nature but meaningless unless supported by reinterpretation of Islam. David Limbaugh, for instance, writes in his January 12 column (Washington Times) that many Jews and Christians "have gone back to their sacred texts and reinterpreted their traditions to embrace modernity and pluralism, but those who haven't diluted their sacred beliefs to conform to today's twisted concept of tolerance are dangerous."

Let's see what's dangerous. It's this kind of indiscriminate and prejudicial thinking and planning to reduce Islam from a code of life to merely a few rituals and prayers that is dangerous. As important as religion is, it's amazing how much ignorance about it persists. In fact, it is really an intellectual copout to argue, for the sake of acceptability to Washington or some other secular piety, that the beliefs of many of the world's religions can be reconciled. Islam, in contrast to all other religions, touches all aspects of life. Removing it from politics means leaving many faculties of life untouched by Islam, simply because there would be no system to make the relevant Islamic obligations practicable.

So, we cannot reasonably say, as the western analysts seem to, that all religions worship the same God and the Muslims should get rid of religion just as the other religions have cleansed the public sphere of it. Just like all other religions, that would make Islam nothing more than a human construct, which would mean there is no religion of God. Either He exists in reality, in which case certain absolute truths about Him apply and certain way we have to follow, or he doesn't, and none of this matters anyway.

Just because some demi-gods claim to know the truth does not mean they advocate eliminating other faiths or even suppressing their free exercise of religion. While Muslims, for example, believe Prophet Mohammed (PBUH) was the last prophet, they do not deny non-Muslims the right to believe otherwise. But being tolerant toward other people's beliefs does not require that the Muslims abandon their own or water them down. Calling a struggle Jihad when others don't mind and removing Jihad related verses from school curricula when others want you to "improve" school curriculum is hypocrisy -- not eliminating extremism. It is playing into the hands of our Masters.

Whether we accept it or not, but General Musharraf surrendered the raison de'etre of Pakistan, justification for our clinging to the Kashmir issue and our right to have an Islamic government in a single go. Let's see how. Pakistan was established in the name of Islam for Muslims to form a government different than the government across the border. It doesn't make any sense to struggle for years only to form the same kind of governments on both sides of the border. Now that General Musharraf has thrown religion out of our politics, it's definitely going to be a Secular Republic of Pakistan, which was not the objective of Pakistan's movement. If its going to be so, why not call the partition of sub-continent null and void and make it one greater India, a confederation already proposed by Benazir Bhutto. For what specific characteristic does Musharraf consider Pakistan, without an Islamic government, a "bastion of Islam"? Just for having majority of the Muslims doesn't make a country "bastion of Islam," nor does Islam need bastions for its protection. In this regard a secular India is a better bastion of Islam than a secular Pakistan for giving protection to twice the number of Muslims living in secular Pakistan.

Then comes Kashmir. If Islam is a private matter of praying a few prayers, it doesn't need a separate state for the Muslims anywhere in the world. If millions of other Muslims can live under the secular Indian rule, so should the Kashmiris. Moreover, without any evidence of their involvement in terrorism, General Musharraf banned a couple of religious groups accused by the Indian for terrorism. This indirectly proves the Indian accusation that these groups were involved in terrorism. There is no need to ask India for evidence any more. Our action proves India right. When India is right and when secularism is the ultimate objective, choosing to live independently or otherwise becomes irrelevant and Allama Iqbal become the worst kind of extremist for putting forward Two-Nations Theory for the partition of India, where the same two nations could live in peace under a secular government.

In the final analysis we must keep in mind that Islam can neither be exploited by a few religious leaders sticking to their respective branches while the core of Islam is under attack, nor can it be moderated and liberalised, as Musharraf and his company dream for it. We cannot even get rid of it by claiming like General Musharraf that we are Muslims and that is good enough -- we need not to talk about it any more. We must counter the Western propaganda that the country would collapse if we tried to develop political, economic and social institutions according to the principles of Islam. Sidelining Islam is not the answer. Our "real war" should be to debate how best can we apply Islam's golden principles in political, economic and social life, and assure the "real warriors" that an Islamic government would never pose a threat to their interests. A genuine shift in these directions would help resolve the internal difficulties of Pakistan by strengthening its systems from within and ensuring closeness with the rest of the Islamic world. We would survive only if we stick to Islam.

بقیہ : مکتوب شکاگو

تربیت کا وہ طریقہ ہے جو نہ صرف ہمیں تحفظ فراہم کرتا ہے بلکہ ہمارے اس عہد و پیمان میں اضافے اور تقویت کا بھی باعث ہے جو ہم نے تنظیم میں شمولیت اختیار کرتے وقت کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس اہم انقلابی جدوجہد کو حضور اکرم ﷺ کے منہج کے مطابق نافذ کرنے کی کوششوں میں صبر و استقامت اور عقل و دانش سے سرفراز فرمائے! (مرتب: عطا ہاشم خان)

❁ ❁ ❁

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan2@psh.paknet.com.pk)

"The Real War" Begins.

One lesson I have learnt from the history of Muslims. At critical moments in their history, it is Islam that has saved the Muslims and not vice-a-versa. Allama Iqbal

Every war begins with identification of an enemy, planning, preparation, propaganda and then a declaration of war. Pervez Musharraf's speech to the nation on January 12 was a formal declaration of "the real war," for which all the necessary steps up to propaganda were already undertaken by the real actors of the war. No matter how much odd it may sound but this war was well on its way regardless of September 11 or December 13. Symbolic attacks were well underway since Pervez Musharraf's arrival on the scene. The basic theme of his latest speech simply formalized launching of "the real war" demanded by no less an authority than New York Times' Thomas L. Friedman in his November 27 column.

Like Thomas Friedman, many of the US policy makers and analysts believe that the West is "not fighting to eradicate 'terrorism.' Terrorism is just a tool... [it is] fighting to defeat an ideology: religious totalitarianism...But unlike Nazism, religious totalitarianism can't be fought by armies alone. It has to be fought in schools, mosques, churches and synagogues, and can be defeated only with the help of imams, rabbis and priests." So was the theme of General Musharraf's speech. It was a good attempt to prove that every ill afflicting our society and the world is just because of the "misinterpretation" of Islam and if it is chained, curricula "improved" and a wall erected between mosque and state, Pakistan would become a heaven on the earth. Except for the word "Allah Ta'ala," there was hardly any word that could tell the difference between a speech prepared by Thomas L. Friedman, Daniel Pipes and Pervez Musharraf.

Of course, armies cannot fight this war, and this fact makes the General's speech -- studded with the word Allah Ta'ala, a couple of Ahadis and a verse from Allama Iqbal -- far more valuable than the multi-billion dollar investment in the war directly at dislodging Islamic Emirate of Afghanistan. With all the world power at their disposal, Mr. Bush and Mr. Blair could never perform this feat. This is the way to strike at the roots of Islam, what Thomas Friedman called "fighting to defeat an ideology" with the help of a Muslim leader. The speech was an attempt to make us unlearn, what we have learnt as Muslims that Islam is a complete code of life. It is not so any more, we are told. It is not fit to govern us. We have to separate it from politics; we have to remove its objectionable portions, like the incomprehensible Jihad from the school curricula to "improve" it; we have to chain it in madrassa because it is responsible for violence, sectarianism, extremism, the problem in Kashmir, Chechnya, Bosnia, etc; it gives us the false sense of being saviours of all the oppressed Muslims around the world and thus become a source of our bad image abroad.

There is no denying the fact that "sectarian" clashes have been going on in Pakistan for quite some time; some religious leaders definitely have acted on "a basis of selfish interests," our economy is damaged, but it is absolutely wrong to ignore all other factors and put all the blame on madrassa for teaching "terrorism and religious hatred instead of teaching them friendship and brotherhood." There are much worse conditions in other places on this planet earth. Nowhere and no one, however, hold religion of the perpetrators responsible for their evil acts. Look at the Israeli and Indian arrogance, intolerance and extremism. Is not all the Israeli aggression, occupation, repression, human rights violations, killings, demolition of homes, torture and deportations based on pure religious beliefs and history? Would Israeli president ever take to the international media and lecture for an hour to put all the blame for the continued bloodbath on misinterpretation of Judaism by Rabbies, fundamentalist Jews, religious institutions and organisations? Would he say that he is not Tekkadar (contractor, or responsible here) for the safety and well being of all the Jews in the world? The US would gather a coalition of dozens of countries to revenge the death of 3,000 Americans. Pervez Musharraf, however, believes that the Palestinians, Afghans, Kashmiris and all other Muslims have to fight their own cause individually regardless of their number, vulnerability and decades under foreign occupation.

It is not that banning religious organisation, ordering to register Mosques and Madrassas, or "improving" religious curricula a great sin that Mr. Pervez Musharraf has committed. It is, actually, the theme of Musharraf's address that would be exploited for a long time to come. It is his attempt to make religion and associated organisations and personalities the basis of all problems, to prove Islam incapable of governing our lives, and to relegate Islam to a very narrow sphere of personal life, that has further sharpened the western propaganda tools for neutralizing Islam. The orders and rules of behaviours set by the General are trivial side issues. The general impression that the Western public may get from his speech is all that matters. And the general impression confirms the 12 years long propaganda to prove that Islam, if followed to the letter, is intolerant, anti-modern and totalitarian.

Mr. Friedman defined totalitarians as those who claim to have a corner on exclusive truth - even if they are completely tolerant of those with other beliefs. What is the present US and UK administration by this standard? Aren't they claiming to have a corner on exclusive truth? What use is their tolerance when it is only their will and way of life that

Vol: 11 Regd.CPL No.127 No.3

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

مکتوب شکاگو

شکاگو میں مبتدی تربیت گاہ کا انعقاد

تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے ہیڈ کوارٹر شکاگو میں رفقا اور رفیقات کے لئے ایک مبتدی تربیت گاہ ۲۲ تا ۲۹ دسمبر ۲۰۰۱ منعقد کی گئی۔ اس تربیت گاہ میں شکاگو کے علاوہ ڈیٹرائٹ، کنکٹیکٹ، نیوجرسی اور نیویارک کے رفقاء نے بھی شرکت کی۔ یہ تربیت گاہ انتہائی احسن اور منظم طریقے سے شروع کی گئی اور یہ حسن و نظم آخر تک بدستور برقرار رہا۔ اس تربیت گاہ میں رفقاء اور رفیقات کی مجموعی تعداد ۳۵ تھی جبکہ اس کی خاص بات ۱۳ سے ۱۸ سال کی عمر کے ان نوجوانوں کی بھرپور شرکت تھی جو چند ماہ پیشتر ہی تنظیم اسلامی میں شامل ہوئے ہیں۔ شکاگو کی ناظمہ برائے حلقۂ خواتین محترمہ فرزانہ اکرم نے اس تربیت گاہ میں اپنے شوہر اور پانچ صاحبزادوں کے ساتھ شرکت کی۔ راقمہ کے لئے اپنے ۱۴ سالہ بیٹے حافظ عدنان خان اور ۱۵، ۱۶، ۱۷ سالہ تین بھانجوں سمیت شرکت ایک نہایت خوشگوار تجربہ تھا۔

اس تربیت گاہ میں تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے امیر جناب ظفر احمد خان بطورِ خاص تشریف لائے تھے۔ انہوں نے سورۃ الصف کی آیات ۱۰ تا ۱۴ سے اس تربیت گاہ کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ مجھے امید ہے کہ اس تربیت گاہ کے اختتام تک آپ سب ان آیات کے اصل معنی و مفہوم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیئے گئے اس پورے پیکیج کو بھی سمجھ لیں گے جس میں ہمارے لئے نفع ہی نفع ہے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۱ ستمبر کے بعد سے جو حالات آج ہمیں درپیش ہیں، ان کے لئے حدیث میں کہا گیا ہے کہ آدمی صبح کو اپنے گھر سے حالتِ ایمان میں نکلے گا اور شام میں واپس ہوگا تو یوں کہ ایمان کی دولت سے تہی دامن ہوگا۔ آج ہر شخص آنے والے وقت سے پریشان اور خوفزدہ نظر آتا ہے لیکن اگر ہم امیرِ محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی بات کو سننے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو ہمیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان شاء اللہ اس سات روزہ تربیت گاہ کے لیکچرز، مباحث اور ورکشاپس آپ کی مدد و معاون ثابت ہوں گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ تنظیم کے ساتھ مخلص ہیں تو اللہ تعالیٰ تنظیمی سرگرمیوں کی ادائیگی کے لئے آپ کے وقت میں برکت پیدا فرمادے گا۔ تربیت گاہ میں تدریس کے فرائض تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے ڈائرکٹر آف ایجوکیشن جناب مصطفیٰ الترک، ڈاکٹر احمد افضال، جناب ماہان مرزا اور نعمان علی خان نے انجام دیئے۔ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن نے کہا کہ تمام شرکاء کو اللہ تعالیٰ کا شکرگزار ہونا چاہئیے کہ سال کے اس آخری ہفتے میں جبکہ پورا امریکہ کرسمس اور نئے سال کی تقریبات میں مشغول ہے اور رقصِ ابلیس اپنے جوبن پر ہے، آپ لوگ اللہ کے دین کے نفاذ کے مشن میں شریک ہیں۔

اس پوری تربیت گاہ میں خاص طور سے فرائضِ دینی کا جامع تصور، مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق، منتخب نصاب، اسلام اور ماڈرنٹی اور منہج انقلابِ نبوی ﷺ پر سیر حاصل لیکچرز اور مذاکروں کا سلسلہ جاری رہا جن کے دوران اکثر و بیشتر Pop-up کوئز بھی لئے جاتے رہے۔ فرائض دینی کے جامع تصور کے ضمن میں دین سے ئے بیان کردہ عمارت کو اچھی طرح ذہن نشین کرایا گیا۔ حضورِ اکرم ﷺ کی اس حدیث کو بھی مدرس حضرات دہراتے رہے کہ "خیر کم من تعلم القرآن و علمہ" یعنی تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ جناب مصطفیٰ الترک نے کہا کہ ہم کسی مالی منفعت یا عہدے اور اعزاز کے لئے تنظیم میں شامل نہیں ہوئے بلکہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے رضاکارانہ طور پر اس سے منسلک ہیں جس کا معاوضہ ہمیں آخرت میں ملے گا۔ اپنے آپ کو سرگرم اور توانا رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کریں جو اللہ سے محبت رکھنے والے اور اس کے دین کے نفاذ کے لئے کوشاں رہنے والے ہوں۔ اس تربیت گاہ کے سب سے کم عمر مدرس ۲۳ سالہ نعمان علی خان نے منہج انقلابِ نبوی ﷺ اور منتخب نصاب کی اہمیت و افادیت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ICNA میں شامل نوجوانوں نے فیصلہ کیا ہے کہ امیرِ محترم کی یہ دونوں معرکۃ الآرا تصانیف زیادہ سے زیادہ متعارف کرائی جائیں۔ ڈاکٹر احمد افضال نے تنظیم اسلامی کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالی۔ جناب ماہان مرزا نے منتخب نصاب کا مطالعہ کروایا۔ تربیت گاہ کے اختتام پر تنظیم اسلامی شکاگو کے امیر جناب ہاشم رضا خان، تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے ڈائرکٹر محترم عطاء الرحمن خان اور ڈائرکٹر فنانس جناب انیس بیگ نے خطاب کیا اور تمام شرکاء کو تربیت گاہ مکمل کرنے پر تہنیتی پیغام پیش کیا۔

تربیت ہماری تنظیمی زندگی کا ایک اہم ستون ہے۔ مسلسل

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

جاگو جگاؤ

نعیم اختر عدنان

ایک کامیاب داعی کی خصوصیات

کسی بھی تحریک کو پھیلانے اور اسے عام آدمی تک پہنچانے کے لئے تحریر و تقریر کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ جب قلم رکھ دیے جائیں تو تلواریں اٹھ جاتی ہیں۔ دینی تعلیمات ہوں یا دنیوی تقاضے، تحریر و تقریر ہی کو ذریعے اور وسیلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

آج پرنٹ میڈیا تحریر کے فن ہی کی بدولت ریاست کا چوتھا ستون بنا ہوا ہے۔ شاعر اور ادیب حضرات اسی ذریعہ کو کام میں لا کر اپنی تخلیقات عوام تک پہنچاتے ہیں۔ قرآن و حدیث اور فقہ کا تمام تر دینی علم بھی تحریر ہی کی بدولت نسل در نسل منتقل ہوتا آ رہا ہے۔ دوسری طرف بولنے کے علم کی وجہ سے انسان کو حیوانِ ناطق قرار دیا گیا ہے۔ فنِ خطابت بھی کوئی کم اہمیت کا حامل نہیں ہے بلکہ بعض معاملات میں تو تقریر، تحریر کی نسبت زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ ایک سیاستدان اسی ذریعہ اظہار کو استعمال میں لا کر عوام سے اپنا رابطہ رکھتا ہے۔ ایک وکیل اپنے دلائل کو جج تک پہنچانے کے لئے اسی ذریعے کا سہارا لیتا ہے۔ مختلف مذاہب کے پرچارک بھی اپنی قوتِ گویائی ہی کے ذریعے ہر طبقہ فکر کے لوگوں کے سامنے وعظ کہتے اور روزمرہ مسائل کو حل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

تنظیم اسلامی نہ صرف اپنے فکر اور نظریے کے حوالے سے بلکہ اپنے نصب العین اور اس کے حصول کے لئے اختیار کئے جانے والے طریقہ کار کی رو سے بھی ایک اسلامی انقلابی جماعت ہے۔ اس کے مؤسس کو اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر کی دوگونہ صلاحیتوں سے نواز رکھا ہے۔ چنانچہ تنظیم اسلامی کے بیشتر رفقاء بھی دین کے پیغام کو عام کرنے کے لئے اپنے عالی قدر امیر کی طرح "زبان" ہی کو ذریعۂ اظہار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ آج ملک کے طول و عرض میں تنظیم اسلامی کے مقامی امراء، حلقہ جات کے ناظم اور اسرہ جات کے نقباء دین کے جامع تصور کو عام کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ تنظیم اسلامی کے تاسیسی رکن، تحریک خلافت پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ اور تنظیم اسلامی لاہور (شمالی) کے امیر جناب عبدالرزاق اپنے خاندان کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ایک مقامی صنعتی ادارے میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کے علاوہ اسی ادارے کی جامع مسجد میں خطیب کے فرائض بھی ادا کر رہے ہیں۔ ادارے کے ملازمین کے علاوہ قرب و جوار کی فیکٹریوں کے کارکن بھی یہیں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ فیکٹری کے مالکان خود بھی دینی جذبہ سے پوری طرح سرشار ہیں، جس کی بدولت کارکنوں کی بھاری اکثریت خطابِ جمعہ سے مستفید ہوتی ہے۔ محترم عبدالرزاق فرائض دینی کے جامع تصور کو مختلف عنوانات اور طریقوں سے پوری دلسوزی کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔ جمعہ کے اجتماع کی عظیم اکثریت اس خطاب کی تاثیر اور مبنی برحکمت دلائل کی قوت اور طرزِ استدلال کو محسوس کرتی ہے۔ اس کے علاوہ داعی کا خلوص اور جذبہ خیر خواہی بھی اپنے تاثرات پیدا کرتا نظر آتا ہے۔ تنظیم اسلامی سے وابستہ تمام ساتھیوں سے میری التجا ہے کہ ہر رفیق خود کو ایک کامیاب داعی بنانے کی مخلصانہ کوشش کرے۔ اس کے بعد ہی اقامتِ دین کے فریضہ کو ادا کرنے کی کٹھن منزل سر ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو دینِ اسلام کا داعی اور مبلغ بننے کی توفیق و سعادت عطا فرمائے!